قرآن کریم اور سنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۷ شمارہ: ۳

ربیع الاول: ۱۴۴۵ھ - اکتوبر: ۲۰۲۳ء

قیمت فی شمارہ: ۶۰ روپے، زرِ سالانہ: ۶۵۰ روپے

مُدیر / مُدیر مسئول

مولانا سیّد سلیمان یوسف بنوری

نائب مُدیر

مولانا سیّد احمد یوسف بنوری

مُدیر معاون

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

خط وکتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات''، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465

فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

یورپ اور امریکی ممالک، وغیرہ: 40 امریکی ڈالر

عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 35 امریکی ڈالر

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 0101900-397-7 برانچ کوڈ: 00816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

وضاحت

ماہنامہ ''بینات'' میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

فیکس: 92-21-34919531 +

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری **مطبع:** شفق پرنٹنگ پریس **طابع:** حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

نیشنل رحمۃ للعالمین وخاتم النبیین اتھارٹی اور اس کا چیئرمین	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات و مضامین

مکاتیب حضرت مولانا محمد بن موسیٰ میاںؒ بنام حضرت بنوریؒ	۷	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
ترجمۂ قرآن اور تفسیر کیسے پڑھائیں؟	۱۱	مولانا عمران عیسیٰ
نامور محدّث ومحقق شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ کا تالیفی وتحقیقی منہج	۲۱	مولانا محمد یاسر عبداللہ
عشقِ رسول ﷺ ... اہمیت، آداب، تقاضے	۳۲	مولانا سفیان علی فاروقی
اہلِ مدارس کے لیے لمحہ فکریہ (دوسری قسط)	۳۷	ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی

یادِ رفتگان

سفرِ آخرت کے تین مسافر: ڈاکٹر امجد علیؒ (مدرسہ ابن عباسؓ) سائیں عبدالصمد ہالیجویؒ، جناب سعید احمد بن خواجہ خان محمدؒ	۴۵	محمد اعجاز مصطفیٰ

دار الافتاء

اہلِ کتاب سے نکاح اور اس کے اثرات واحکامات	۵۱	ادارہ

نقد و نظر

ملخص عمدة البيان في تجويد القرآن	۶۴	ادارہ

نیشنل رحمۃٌ للعالمین وخاتم النبیین اتھارٹی

اور اس کا چیئر مین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و سلامٌ علی عبادہ الذین اصطفی

گزشتہ سے پیوستہ حکومت نے ایک ادارہ رحمۃٌ للعالمین اتھارٹی بنایا تھا، جس کے فرائض میں تھا کہ وہ حکومت کی راہنمائی کرے کہ پاکستان کو مدینہ منورہ کی طرح فلاحی ریاست کس طرح بنایا جائے؟ اور اس کا چیئر مین ایسے آدمی کو بنایا گیا تھا جس کا دینی تعلیم اور خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت اور سیرت سے دور دور تک کوئی علاقہ اور تعلق نہ تھا، وہ صرف امریکن یونیورسٹی کا پروردہ اور پاکستان کی ایک یونیورسٹی کا پروفیسر تھا، اس پر ''بینات'' ماہِ فروری ۲۰۲۲ء میں احتجاج ریکارڈ کرایا گیا تھا اور مطالبہ کیا گیا تھا کہ اس ادارہ کا سربراہ اس آدمی کو بنایا جائے جو اپنے علم وعمل اور کردار و اخلاق کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا متبع ہو۔ اس حکومت کے خاتمہ کے ساتھ ہی اس کے بعد آنے والی مخلوط حکومت نے ایک تو اس اتھارٹی کا نام بدل کر ''نیشنل رحمۃٌ للعالمین وخاتم النبیین اتھارٹی'' رکھا، اور دوسرا یہ کہ پہلے سے موجود چیئر مین کو ہٹا کر اس کا نیا چیئر مین ایک صحافی جناب خورشید احمد ندیم صاحب کو بنایا گیا۔ موصوف ''روزنامہ دنیا نیوز'' کے کالم نگار ہیں، اور سیکولرازم کے ماننے والے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

’’ہم ریاست کو ایک مذہبی ادارے کے طور پر دیکھتے ہیں، حالانکہ وہ ایک سیاسی ادارہ ہے، اس سیاسی ادارے کو جب ہم مذہبی بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ مسائل اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں جن میں سے ایک مسئلہ قادیانیوں سے متعلق بھی ہے۔ ہم نے مذہبی معاملات کو ریاست کے وظائف میں شامل کردیا، حالانکہ وہ اس کے لیے بنی ہی نہیں۔‘‘ (دنیانیوز، ۱۰ستمبر ۲۰۱۸ء)

اہل علم اور دانش مند سب ہی جانتے ہیں کہ سیکولرازم نام ہی اس نظریے کا ہے کہ ریاست کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ بنیادی طور پر سیکولرازم کا نظریہ اللہ تعالیٰ کی اتھارٹی کا انکار ہے اور اللہ تعالیٰ کی اتھارٹی کا انکار کرنے والے آدمی کو ’’رحمۃ للعالمین وخاتم النبیین ﷺ‘‘ کے نام پر بنائی گئی اتھارٹی کی چیئرمین شپ سونپ دی گئی ہے، یا للعجب!

مزید لکھتے ہیں: ’’راویتی طبقہ بار بار ریاست کو مسلمان بنانے کی کوشش کررہا ہے اور انہیں یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ ریاست تو کوئی ذی عقل وجود نہیں، جس کا کوئی مذہب ہوسکتا ہے۔‘‘ (حوالہ بالا)

اسلامی روایت اور روایت پر قائم رہنے والے علمائے کرام سے اس آدمی کو کس قدر چڑ ہے؟ جو اس کے ان الفاظ ’’روایتی طبقہ‘‘، ’’ریاست کو مسلمان بنانے کی کوشش‘‘ وغیرہ سے عیاں ہورہی ہے۔

چونکہ جناب خورشید احمد ندیم صاحب جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے نظریات کے دلدادہ اور ان کے مرید خاص اور پیروکار ہیں اور کہتے ہیں کہ: ’’جاوید صاحب سے میرا تعلق تین عشروں پر محیط ہے، یہ ان کے علم کی کشش تھی جو مجھے ان تک لے گئی، ان کی مجلس میں بیٹھا تو علم کی تعریف ہی بدل گئی۔‘‘ اسی لیے وہ اپنے مضامین اور تحریرات میں جابجا جاوید احمد غامدی کو اپنا استاذ لکھتے ہیں، اور انہی کے نظریات کی ترجمانی اور وکیلِ صفائی کا کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ مذکورہ بالا تحریرات میں گویا انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ میرے استاذ و مرشد جناب جاوید احمد غامدی صاحب جو کچھ ریاست کے بارہ میں کہتے ہیں، وہ بالکل صحیح اور درست ہے کہ ’’ریاست کا کوئی مذہب نہیں ہوتا‘‘ اور تمام مسائل کی جڑ ’’ریاست کو مذہبی اسٹیٹ‘‘ بنانا ہے۔ حالانکہ آئین میں لکھا ہے کہ: ’’اسلام، پاکستان کا سرکاری مذہب ہوگا۔‘‘

اب کوئی دانشور اس استاذ اور شاگرد سے پوچھے کہ کیا تمہارا اس طرح کہنا، یہ آئین اور دستور کی نفی نہیں؟ اور آئین میں بھی لکھا ہے کہ جو آئین کی خلاف ورزی اور آئین سے انحراف کرے گا‘ وہ سزا کا مستوجب ہوگا۔ موصوف اپنے کالم میں لکھتے ہیں:

’’قادیانی مسئلہ مذہب اور ریاست کے باہمی تعلق ہی کی ایک فرع ہے (یعنی اسی سے پیدا ہوا ہے)، مذہب اور ریاست کے مابین رشتے کا تعین ہمارا اصل مسئلہ ہے، جب تک اسے حل نہ کیا جائے گا، اس کی نئی نئی شاخیں اُگتی رہیں گی۔‘‘ (دنیانیوز، ۱۰ستمبر ۲۰۱۸ء)

حالانکہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ قادیانیوں کے کفر کی بنیادی وجہ حضور اکرم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کا انکار کرنا ہے، اور یہ خالصتاً دینی عقیدہ ہے، جس پر پورے دینِ اسلام کی عمارت کھڑی ہے، لیکن جناب خورشید ندیم صاحب، جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے فکر ونظر کے اسیر ہونے کی بنا پر کہہ رہے ہیں کہ یہ مسئلہ ریاست کو مذہبی اسٹیٹ بنانے کی وجہ سے ہے۔

گزشتہ سے پیوستہ حکومت نے جب ایک سکہ بند قادیانی ''عاطف میاں'' کو فنانشل ایڈوائزر کے رکن کے طور پر مقرر کیا تھا، اس پر پورے ملک میں شدید احتجاج ہوا اور اس کا نام اس ایڈوائزری سے نکالا گیا تو خورشید ندیم صاحب نے لکھا کہ: ''عاطف میاں کو ہٹا دیا، مگر مسئلہ اب بھی باقی ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ کیسا مسئلہ ہے، جسے جتنا حل کیا جاتا ہے، اتنا ہی لاینحل یعنی مشکل ہوتا چلا جاتا ہے۔'' (دنیا نیوز، ۱۰؍ستمبر ۲۰۱۸ء)

اور آگے لکھا ہے:

''اس ناکامی کی اس سے بڑی دلیل کیا ہوگی کہ ہمارا مذہبی ذہن ایک سفارشی کمیٹی میں بھی ایک ایسے فرد کو گوارا نہیں کرسکا جو ہم سے مختلف مذہبی خیالات رکھتا ہے۔'' (حوالہ بالا) گویا خورشید احمد ندیم صاحب کے نزدیک ختمِ نبوت کا انکار کرنا محض ایک مختلف ''مذہبی خیال'' ہے۔ اب آپ ہی بتائیں ایسے شخص کو اس ادارہ کا سربراہ بنانا اس اتھارٹی کو بے اثر کرنے کے لیے اگر نہیں ہے تو پھر اور کس لیے ہے؟

اس کے ساتھ ساتھ غامدی صاحب قادیانیوں کو غیر مسلم نہیں مانتے۔ تو جب خورشید ندیم صاحب ان کے شاگرد، ان کے مرید، ان کے منادی، اور اپنی تحریروں میں ان کی تعلیمات کی عکاسی کرتے ہیں تو بتلایا جائے کہ اس اتھارٹی کی چیئرمین شپ پر براجمان کیا جانے والا شخص ان کو کافر کہے گا؟ جب کہ اس اتھارٹی کی ذمہ داریوں اور اختیارات کے بارہ میں آرٹیکل ۸، اے میں کہا گیا ہے کہ:

۱: ''قوم کی کردارسازی کے ذریعے ملک کو ریاستِ مدینہ کی طرز پر تعمیر کرنا، جس کی بنیاد انصاف، قانون کی عمل داری اور فلاحی ریاست کے ماڈل پر ہو۔''

۲: آرٹیکل ۸، ڈی کے ذیل میں لکھا ہے: ''قادیانیوں، احمدیوں، لاہوریوں، یہودیوں، اور وہ تمام ادارے، تنظیمیں، اور مذاہب، جو اسلام اور پاکستان کے دشمن ہیں، ان کی ہر حرکت پر گہری نگاہ رکھی جائے گی، اور ان کے پروپیگنڈا اور ایکشن کو روکنے کے لیے تمام تر قانونی کارروائی کی جائے گی۔''

اب آپ بتایئے! جو شخص ریاست کے سرکاری مذہب اسلام ہونے کو ہی تسلیم نہ کرے، وہ کیا پاکستان کو دشمن سے بچائے گا؟ کیا وہ قادیانیوں اور یہودیوں وغیرہ کی سازشوں اور حرکتوں پر نگاہ رکھے گا؟ جب کہ قادیانیوں کے بارہ میں تو علامہ اقبالؒ بہت پہلے لکھ چکے ہیں کہ: ''یہ ملک اور ملت کے غدار ہیں۔''

تو جو ملک اور ملت کے غدار ہوں اور پاکستان کا آئین جنہیں غیر مسلم قرار دے، اور پھر خاتم

النبیین اتھارٹی بنائی ہی اسی لیے گئی ہے کہ ملک اور ملت کے ان غداروں سے ریاست پاکستان کو بچایا جائے گا، تو ایسے لوگ جو قادیانیوں کو کافر نہ سمجھتے ہوں، وہ اس اتھارٹی کے سربراہ بن کر پاکستان کے مفادات کا تحفظ کریں گے یا ان ملک وملت کے غداروں کے مفادات کے مطابق کام کریں گے؟ فیصلہ آپ کریں!

لگتا یہ ہے کہ یہ موصوف مسلم لیگ (ن) کے قریبی شمار کیے جاتے ہیں، اسی لیے سیاسی رشوت کی بنا پر ان کو اس اتھارٹی کا سربراہ بنایا گیا ہے، یا بیوروکریسی میں چھپے ان عناصر اور کارندوں کی یہ کارروائی ہے جو ہمیشہ دین بیزار اور مذہب بیزار قوتوں کے آلہ کار ہونے کی بنا پر ایسے ایسے افراد کو چن چن کر ایسے اداروں کی سربراہی کے لیے سامنے لاتے ہیں جو ان اداروں کے مقاصد کے برخلاف ذہن رکھتے ہوں، تاکہ دین کی بنیاد پر بننے والے ان اداروں کی ناکامی کو نمایاں کر کے ایسے اداروں سے بالکل جان چھڑائی جائے۔

بہرحال! پاکستانی قوم کا یہ پُرزور مطالبہ ہے کہ محترم جناب خورشید ندیم صاحب کو اس اتھارٹی سے بالکل علیحدہ کیا جائے، اور ان کی جگہ کوئی ایسا سربراہ مقرر کیا جائے جو ملک وملت کے دشمنوں بالخصوص قادیانیوں کی سازشوں کا مکمل ادراک رکھتا ہو اور بین الاقوامی فورموں پر مسلمانانِ پاکستان اور آئینِ پاکستان کی صحیح ترجمانی کرنے کا گُر جانتا ہو۔ اُمید ہے کہ نگران حکومت اس پر غور کرے گی، اور اس حساس نوعیت کے مسئلہ کو بروقت حل کر کے اسلامیانِ پاکستان کے جائز مطالبہ کو پورا کرے گی، ورنہ اندیشہ ہے کہ مسلمانانِ پاکستان اگر اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے تو پھر اس عوامی طوفان کے غیظ وغضب کے سامنے بند باندھنا شاید آسان نہ ہو۔ اللہ کرے ایسا نہ ہو۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد و علٰی آلہٖ و صحبہٖ أجمعین

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

سلسلۂ مکاتیب حضرت بنوریؒ

مکاتیب حضرت مولانا محمد بن موسیٰ میاں رحمۃ اللہ علیہ

بنام حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الاحد ۱۰/رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ

مخلصِ محترم مولانا سید محمد یوسف صاحب دامت برکاتکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الحمدللہ آج افاقہ ہے، یہ چند سطور لکھنے کی ہمت ہوئی، تاکہ پرسوں جمعہ کے دن اشیاءِ مُرسلہ وصول ہونے کی اطلاع دے سکوں، اور آپ نے جو اس سلسلہ میں سعی فرمائی، اس کی سپاس گزاری ہو سکے۔ آپ نے ہمیشہ مفوضہ کاموں میں پوری توجہ اور جد وجہد سے کام کیا ہے، جو میرے لیے بہت اطمینان وسہولت کا باعث ہوا، آپ کے ان تمام احسانات کا میں تہہ دل سے شکرگزار ودعاگو ہوں، یجزیکم اللہ أوفی الجزاء و یعافیکم! سید محمود الحافظ صاحب کے دو خط ملے، دونوں میں آپ کو یاد کیا ہے، مجلس (مجلسِ علمی) کا حال دریافت کیا ہے، اور آپ کو بہت بہت سلام لکھا ہے۔

عزیز یوسف بھائی کا خط آیا ہے، انہیں ہر سال سردیوں میں سخت نزلہ وزکام ہوجاتا ہے، اور بہت عاجز ہوجاتے ہیں، گزشتہ سال ڈاکٹروں کے مشورہ سے X-RAY فوٹو سے یہ معلوم ہوا کہ ناک اور آنکھ کے متصل کھوپڑی کی ہڈیوں میں جو خلا ہیں، ان میں زکامی مادہ، جو نامی ہے، داخل ہوجاتا ہے، اور اپنے نامی خمیری ہونے کی وجہ سے حلق وسینہ پر ٹپک ٹپک کر کھانسی، چھینک، حرارت ونقاہت پیدا کرتا ہے، اس کا عنوان ''سائنس'' (Sinus) ہے۔ گزشتہ سال یہ تجویز پایا کہ ان خلا میں پنیسلین (Pinnicilin) بھر دی جائے، تاکہ زہری (زہریلے) مادہ کو صاف کردے، چنانچہ ایسا کیا گیا، اور

فوراً فائدہ بھی ہوگیا۔ اب اس سال پھر تکلیف شروع ہوگئی ہے، اور پریشان ہیں۔ لکھا ہے کہ کسی حاذق طبیب سے مشورہ کرکے کوئی علاج تجویز کریں، حکیم محمد قاسم صاحب سے مشورہ فرما کر اگر کوئی علاج تجویز فرماویں تو عین کرم ہوگا۔ عجلت اس لیے ہے کہ حاجی اسماعیل نواب وغیرہ بعد از عید افریقہ جانے والے ہیں، ان کے ساتھ دوا چلی جائے۔ مصارفِ سفرِ سورت و قیمتِ ادویہ میرے حساب میں لگا دیجیے گا، ولکم جزیل شکري! حکیم صاحب و مفتی صاحب کی خدمت میں نیازمندانہ سلام عرض ہے۔ خمیرہ بہت بروقت پہنچا، أحسنتم وأصبتم! عطر اچھا ہے، أطاب الله حیاتکم المبارکۃ! سرمہ بھی اچھا ہوگا، جزاکم الله خیرا یا سواد العین یا سادتي!

مولانا صاحب، چچا صاحب، سعد، سعید و شفیع اور ''احباب'' کو سلام۔ والسلام

احقر محمد بن موسیٰ میاں عفی اللہ عنہما

پس نوشت: میرا حساب بھی لکھ بھیجیے گا، تاکہ ادا کردیا جائے۔

الاثنین ۱۷/ شوال ۱۳۶۷ھ

مخلصِ محترم جناب مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری دام فضلکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کے سب گرامی نامے ملے، پہلے تو اپنی علالت اور اب اسماعیل کی بیماری کی وجہ سے جلد جلد جواب نہ لکھ سکا، معاف فرمائیے گا۔ عزیز بھائی یوسف سلمہ کے لیے گولیاں مہیا فرما کر بھجوادیں، اس کے لیے شکرگزار ہوں، یجزیکم الله أجرًا حسنًا! آپ کی بقیہ رقم مع اس قیمتِ حبوب (گولیاں) کے ان شاء اللہ عنقریب روانۂ خدمت کردوں گا، مطمئن رہیں۔ جناب قاضی رفیع الدین صاحب کو لکھا ہے کہ جب وہ تشریف لائیں تو مجلس (علمی) کی کتابوں کے دو ٹرنک (صندوق) ساتھ لائیں، اگر حاجی داؤد آبوتھ آنے والے ہوں اور کچھ کتابیں لانے پر آمادہ ہوجائیں تو انہیں بھی کچھ ایک دو صندوق دے دیں۔ علاوہ ازیں محمود ہانس یا اور کوئی صاحب جو یہاں آنے والے ہوں، ان کے ہمراہ جس قدر ممکن ہو، کتابیں بھیج دیا کریں۔ اگر بلنگ کھل گیا ہو تو اس میں غالباً خان صاحب اور کوٹھری والا صاحب امداد کرسکیں گے، اس صورت سے بہت سی کتابیں بیک وقت آجائیں گی، کتابوں کا اب مجھے بہت خیال وفکر ہے، اگر کسی شخص کو اُجرت دے کر بھی یہ کام کرادیں تو بہت ممنون ہوں گا، ورنہ اس کام کے لیے یہاں سے کسی کو مستقل سفر کرنا پڑے گا۔

قاضی صاحب سے عرض کیا ہے کہ وہ حکیم صاحب سے ایک تولہ عنبر اور ایک تولہ مروارید خرید کر

ہمراہ لائیں۔ اسماعیل کو ٹائیفائیڈ ہوگیا تھا، اب تک صاحبِ فراش ہے، آپ کا مُرسلہ خمیرہ مروارید انہیں کھلا رہا ہوں، اللہ تعالیٰ شفاء عاجل و کامل عطا فرماویں۔ ان غربت (مسافرت) کے مرضوں میں آپ احبہ واعزہ کی طرف خیال جانا اور آپ کی مواخات (بھائی چارہ) یاد آنا فطری امر تھا، ایسا ہوا، اور آپ کو سابق احسانوں کے لیے دعا و شکر گزاری سے یاد کرتا رہا، الحمدللہ اب ہمیں افاقہ ہوگیا، رختِ سفر باندھ رہے ہیں، دعا فرمایئے گا۔ مجھے وہ گجراتی دفتر (رجسٹر) نہیں مل سکا، احمد مولانا سلمہ پر اعتماد کرکے کرایۂ مکان ادا فرمادیں، جب تک کتابیں ہیں، مجلس کی ذمہ داری ہے۔ مجلس کے حساب میں کچھ رقم حاجی (ابراہیم میاں) چچا صاحب سے قرض لے لیں، اس مد کے لیے بھی کچھ مبلغ ان شاء اللہ بھیج دوں گا۔ ٹرنک (صندوق) آپ کے لیے ہدیہ تھا، اس کی قیمت کو میرے حساب میں جمع نہ رکھیں، اور قبول فرمالیں، ممنون ہوں گا۔

جناب عبدالحی پٹیل صاحب کا خط آیا ہے، جس کی نقل اس عریضہ کے ہمراہ ہے۔ آپ حضرات کے خطوط سے یہ معلوم ہوا تھا کہ جو انتظام وہ، آپ اور ہم نے مل کر کیا تھا، وہ رد کردیا گیا ہے۔ میرے بعد آپ کے معاملات کیا ہوئے؟ اس کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں؟! اللہ تعالیٰ سے امیدوار ہوں، وہ میرا خلوص ضائع نہیں فرمائیں گے، أضعناك يا فتى، وأي فتى أضاعوا! إنا لله وإنا إليه راجعون! آپ کا جس واسطہ سے معاملہ ہوا ہو، ان کے ذریعے سے مناسب جواب دے دیں، میں بھی مختصر جواب لکھ دوں گا، اس کی نقل بھی آپ کی اطلاع کے لیے منسلک ہے۔ مولانا صاحب، احبابِ مجلس، احباب کو سلام، بچوں کو پیار و دعاء۔

والسلام

احقر محمد بن موسیٰ میاں عفی اللہ عنہما

پس نوشت: کاش آپ مولوی اسماعیل مُلّا ڈابھیلی کے ہاتھ دو چار صندوق کتابیں بھیج دیتے، وہ بخوشی لاتے، خالی ہاتھ آئے۔ اب بھی ابراہیم لاکھی صاحب وغیرہ آنے والے ہیں، جو کچھ ممکن ہے سعی فرمایئے گا۔

• ۳۰ / شوال ۱۳۶۷ھ

محترم ومکرم مولانا سید محمد یوسف صاحب زیدت معالیکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گرامی نامہ نے مشرّف کیا، الحمدللہ مُرسلہ تین صندوق کتابیں اور دو پیراہن مل گئے، فلکم جزيل شكري والأجر من الله! دہرم داس، بمبئی واپس آرہے ہیں، ان کے ہمراہ تین صندوق بھیج رہا ہوں، وہ داؤد جی دادا بھائی کے وہاں چھوڑ دیں گے، وہاں سے آپ کسی آنے جانے والے کے ہمراہ منگوالیجیے

گا، ان شاء اللہ دوبارہ ذخیرۂ کتب بھر کر واپس ہوں گے۔ محمود ہانس سلمہ کہتے ہیں کہ کسٹم وغیرہ میں بہت سہولت رہی، اگر آپ نے توجہ فرمائی تو آپ کا جمع کردہ سب ذخیرہ دو چار مرتبہ میں یہاں آکر محفوظ ہو جائے گا، ان شاء اللہ۔ مجلسِ علمی دفن نہیں ہوگی، آپ مطمئن رہیں، یہ نیا دور شروع ہو رہا ہے، اس سے پہلے کچھ فترہ (وقفہ) ہے، جہاں کہیں بھی ہو مجھے یقین ہے کہ آپ کی دعائیں اس کے ساتھ ہوں گی، کیونکہ آپ نے اس کی پرورش کے دورِ ثانی میں بہت حصہ لیا ہے، اس وقت چونکہ آپ کی توجہ اور کسی طرف صرف ہو رہی ہے، اس لیے مناسب نہیں کہ صورتِ مشاہرہ پر اس کا کام ہو، اگر آپ ''معارف السنة'' (''معارف السنن'' مراد ہے) کو پورا فرما سکے تو ان شاء اللہ اس وقت دیکھ بھال کر معاملہ ومعاوضہ طے کر لیں گے، اس وقت آپ کو مزید مشاہروں کی واقعی ضرورت نہیں، آپ کو یکمشت رقم مل جائے گی، جس سے آپ کو سہولت ہوگی۔

آپ کے گزشتہ سال کے درسِ حدیث کا معاملہ میں نے بہت شوق وخلوص سے کیا تھا، ان ایام وشہور کا مشاہرہ، مجلس اور ہمارے لیے سعادت تھی، مجلس کے کاموں کو روک کر یہ کام محض رضاء الٰہی کے لیے کیا تھا، میرے بعد جب یہ کوشش ہوئی کہ ان ایامِ مبارکہ کا مشاہرہ رد کر دیا جائے تو میرے منہ پر چپت سی لگ گئی، میں یہ سمجھا کہ مجلس کے حال اور مستقبل کو نہیں، اس کے ماضی کو بھی ضائع کرنے کی سعی ہوئی، میں نے صبر کر لیا ہے، اور اس معاملہ کو اللہ پر چھوڑ دیا ہے؛ کیونکہ اس کے ہاں خلوص کبھی ضائع نہیں ہوتا، وہاں کے حسنات کو کوئی اُدھیڑ نہیں سکتا، فله الحمد وله الكبرياء!

یہاں سے سورت کے ایک صاحب جناب یعقوب قاضی کو لکھ رہے ہیں کہ کتابوں کی روانگی میں امداد فرماویں۔ محمود ہانس سلمہ کہتے ہیں کہ اسماعیل لاکھی بھی اس کام کو کر سکیں گے، ان کو خط لکھوا رہا ہوں، آپ سے توقع ہے کہ آپ معاونت فرماویں گے، جزاکم اللہ! مولانا عبدالحق نافع صاحب (برادرِ مولانا عزیر گل رحمہ اللہ) کا گرامی نامہ ملا، ان کی خواہش ہے کہ ان کی امانت کی رقم دیوبند سے سملک ادا ہو جائے، اور ہم انہیں یہاں سے بھیج دیں، تو ہمیں یہ منظور ہے، وہ آپ کی معرفت یہ معاملہ کرنا چاہتے ہیں، اگر دریافت فرماویں تو بخوشی قبول فرمالیں، اور رقم حاجی (ابراہیم میاں) چچا صاحب کو دے دیں، اور ہمیں اطلاع دیں، تاکہ ہم انہیں رقم بھیج دیں، میرے بعد میں جناب سلیمان بنا صاحب کو سمجھا دوں گا، وہ اس کام کو پورا کریں گے، سلیمان بنا صاحب کو گجراتی میں خط لکھا جائے تو سہولت ہوگی۔ حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب مدظلہ، چچا صاحب، سعد وسعید، احبابِ مجلس، سب کو سلام، بچوں کو پیار و دعاء۔

والسلام

احقر محمد بن موسیٰ میاں عفی اللہ عنہما

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

وفاق المدارس العربیہ کے نصاب میں درجہ ثانیہ تا درجہ خامسہ

ترجمۂ قرآن اور تفسیر کیسے پڑھائیں؟

مولانا عمران عیسیٰ
استاذِ جامعہ

''زیرِنظر مضمون جامعہ کے استاذ مولانا عمران عیسیٰ صاحب کی طرف سے وفاق المدارس کے ''تدریب المعلمین'' کے کراچی میں منعقد ہونے والے اجتماع مؤرخہ ۱۳ اور ۱۴ جون ۲۰۲۳ء میں پیش کردہ مقالہ یا بیان ہے، ضروری ترمیم کے بعد افادۂ قارئین کے لیے پیشِ خدمت ہے۔ بیان کی ریکارڈنگ کو تحریری شکل دی گئی ہے، چوں کہ تقریر وتحریر کے اسلوب میں نمایاں فرق ہوتا ہے، اس لیے اُمید ہے کہ اس فرق کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے گا۔''

قابلِ احترام اکابر اساتذۂ کرام! آپ حضرات مختلف مدارس سے تشریف لائے ہیں، میں آپ کے سامنے بات کرنے کے لیے بیٹھا ضرور ہوں، لیکن مجھے آپ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، میں آپ کا ساتھی ہوں، آپ سے ادنیٰ ہوں، علم میں بھی، عمل میں بھی، لیکن بعض دفعہ چھوٹوں سے اُن کی تربیت کے لیے کام کرایا جاتا ہے اور بعض دفعہ چھوٹے بڑوں کو سبق سنایا کرتے ہیں، تاکہ غلطیوں کی اصلاح ہوجائے تو اس لیے میں آپ کے سامنے بیٹھا ہوں، اور اگر کوئی غلط بات منہ سے نکل جائے تو امید ہے کہ آپ حضرات درگزر بھی فرمادیں گے۔ وفاق المدارس کے تحت ''تدریب المعلمین'' کے اس اجتماع میں اس مجلس سے پہلے اور بعد میں بھی آپ کو اکابر کی بات سننا نصیب ہوگی، درمیان میں اس نشست پر گزارا کرلیں، لیکن اتنی بات ہے کہ کوئی اجتہادی بات یا کوئی اِبداع نہیں ہوگا، بلکہ جو بات بڑوں سے سنی ہے وہی آپ کی خدمت میں عرض کردی جائے گی اور اس میں بھی کوئی غلطی ہو تو آپ اصلاح فرما سکتے ہیں۔ سنن ابی داوٗد میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تَسْمَعُوْنَ وَ یُسْمَعُ مِنْکُمْ وَ یُسْمَعُ مِمَّنْ یَسْمَعُ مِنْکُمْ'' تم مجھ سے دین حاصل کر رہے ہو، پڑھ رہے ہو، آئندہ زمانے میں تم سے سنا جائے گا، لوگ تم سے استفادہ کریں

گے، پھر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جنہوں نے تم سے استفادہ کیا ہوگا وہ لوگوں کو سنا رہے ہوں گے۔ تو یہ علم سینہ بسینہ، کابرأ عن کابرٍ منتقل ہوتا ہے، اس لیے جو کتابوں میں پڑھا، جو اساتذہ سے سنا، وہ آپ کی خدمت میں کچھ باتیں عرض کر دی جائیں گی۔ میرے ذمے جو موضوع ہے وہ ''ترجمۂ قرآن اور تفسیر'' ہے۔

ہمارے ہاں درسِ نظامی میں درجہ ثانیہ سے ترجمۂ قرآن شروع ہوتا ہے، درجہ ثانیہ میں پارہ عم پڑھایا جاتا ہے، پھر درجہ ثالثہ، درجہ رابعہ اور درجہ خامسہ کے تین سالوں میں دس، دس پارے کر کے پورا قرآن مکمل کرایا جاتا ہے۔ اس کے بعد درجہ سادسہ میں ''تفسیرِ جلالین'' ہے اور پھر درجہ سابعہ میں ہمارے ہاں ''تفسیرِ بیضاوی'' ہے، جس کا ''الٓمٓ'' کا ایک پاؤ پڑھا جاتا ہے، پڑھایا جاتا ہے۔

جو ترجمۂ قرآن، درجہ ثانیہ سے درجہ ثالثہ تک، یا درجہ ثانیہ سے درجہ رابعہ تک ہے، اُس میں کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟ وہ آپ کی خدمت میں پیش کروں گا، مگر پہلے کچھ تمہیدی باتیں عرض کرنی ہیں۔

ترجمۂ قرآن پڑھانے والا اپنی نیت کو صاف اور جذبہ کو تازہ کرے

پہلی تمہیدی بات تو یہ ہے کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ریاضُ الصالحین'' میں محدثین کی عادت کے مطابق اخلاص، یا ''إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ'' والی روایت سے کتاب کو شروع کیا ہے، اس پر عنوان یا ترجمۃ الباب انہوں نے یہ قائم کیا ہے: ''بابُ الإخلاص واستحضار النيّة فيه'' یعنی عمل میں اخلاص پیدا کرنا اور جو عمل کر رہے ہیں، اس عمل کرتے وقت اپنے آپ کو یاد دلانا کہ میں کونسا عمل کر رہا ہوں، یہ وہ بات ہے جس کو ''احتساب'' کہا جاتا ہے، گویا عمل کرتے وقت اپنے آپ کو یاد دلانا کہ میں کونسا عمل کر رہا ہوں، اس لیے ''حياةُ الصحابة رضی اللہ عنہم'' میں مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر نقل کیا ہے: ''لَا أَجْرَ لِمَنْ لَّا حِسْبَةَ لَهٗ''، اس کو کوئی ثواب نہیں ملے گا جس کو نیکی کرتے وقت یہ یاد نہ ہو کہ میں کیا عمل کر رہا ہوں۔ ''احتساب'' یہ ہے کہ عمل کی اہمیت دل میں ہو، دل میں یہ بات نہ ہو کہ مہتمم صاحب نے مجھے ''هدايةُ النحو'' نہیں دی، ''عمّ پارہ'' دے دیا، مجھے ''كنز الدقائق'' حوالہ نہیں ہوئی، جو فن کی کتاب کہلاتی ہے، ''شرح التهذيب'' حوالے نہیں ہوئی، یہ میری ناقدری ہوئی کہ مجھے ''ترجمۂ قرآن'' پڑھانے کو ملا، تو یہ ناقدری نہیں ہے میرے دوستو! مجھے بہت بڑی سعادت ملی کہ مجھے قرآنِ پاک کا ترجمہ پڑھانا نصیب ہوا۔

طلباء ہمارے پاس نعمت بھی ہیں، امانت بھی ہیں، ان کی قدر کی جائے

دوسری بات جو مجھے آپ سے عرض کرنی ہے، ویسے وہ بھی عمومی سی ہے، وہ یہ ہے کہ ابھی حضرت مولانا امداد اللہ صاحب سے بھی آپ نے اس طرح کی بات سنی، اور ہم نے سنا ہے کہ دار العلوم دیوبند میں جو داخلہ فارم

جاری ہوتا ہے اس کے اوپر ایک روایت لکھی ہوئی ہے: ''إِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبَعٌ، وَإِنَّ النَّاسَ يَأْتُوْنَكُمْ مِنْ أَقْطَارِ الْأَرْضِ يَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّيْنِ، فَاسْتَوْصُوْا بِهِمْ خَيْرًا'' لوگو! تمہارے پاس لوگ آئیں گے، دین سیکھنے کے لیے (ان کی قدر کرنا) اور ان کا خیال رکھنا۔ اس لیے حضرت صدرِ وفاق شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی یہ بات کہیں سنی یا پڑھی کہ ''طلبہ ہمارے پاس نعمت بھی ہیں، امانت بھی ہیں۔'' آپ میں سے بہت سارے دوست جمعہ پڑھاتے ہوں گے، خطباء ہوں گے، جمعہ کا مجمع بیان سننے کے لیے کتنا آتا ہے، (یہ ہم جانتے ہیں) جبکہ یہ طلبہ کتنے ادب کے ساتھ ہمارے سامنے بیٹھے ہوتے ہیں؟! اور پھر بفضلہٖ تعالیٰ مدارس کی رونقیں روز افزوں بڑھ رہی ہیں۔

مطالعہ و تیاری کا اہتمام

تیسری تمہیدی بات یہ کہ ہم کتاب کوئی بھی پڑھائیں، تو مطالعہ کا خوب اہتمام ہو، جب میرا تدریس کا دوسرا سال تھا تو مجھے ''كنز الدقائق'' حوالے ہوئی، استاذِ محترم (سارے ہی اساتذہ ہمارے محسن ہیں، لیکن بعض اعتبار سے) مفتی محمد ولی درویش صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہت خیال فرمایا، انہوں نے مجھ سے فرمایا: درجہ اولیٰ سے لے کر درجہ رابعہ تک ہمارے درسِ نظامی میں فقہ کی جتنی کتابیں ہیں ان سب کو دیکھنا ہے، جو سبق پڑھاؤ اس سے متعلق ''مختصر القدوري'' بھی دیکھو، ''كنزُ الدقائق'' تو دیکھو، اس جگہ پر ''شرح الوقاية'' بھی دیکھو، اس جگہ پر ''هداية'' بھی دیکھو اور ''كنزُ الدقائق'' کی ساری شروحات دیکھو۔'' پھر فرمانے لگے: ''جو مطالعہ کرو وہ سب طلبہ کو نہیں بتانا، بلکہ خود کو مسلح کرنا ہے، یعنی پوری طرح تیار ہو کر جانا ہے، کوئی پتہ نہیں طالبِ علم کیا سوال پوچھ لے۔''

اور آپ نے بھی محسوس کیا ہوگا، اس مجلس میں پرانے مدرسین بھی بیٹھے ہیں کہ جب مطالعہ مضبوط ہوتا ہے تو سبق میں بڑی برکت ہوتی ہے، ہم کبھی بعض اساتذہ کا سوچتے ہیں کہ ان کا سبق کتنا برکت والا ہوتا ہے، وہ برکت والا اس لیے ہوتا ہے کہ ان کی نیکی اور روحانیت تو اپنی جگہ پر، ان کا علم پر اتقان اور دَرک ہوتا ہے جو سبق میں برکت پیدا کر دیتا ہے، تو ترجمۂ قرآن کے لیے بھی ہمیں بہت اچھی طرح مطالعہ کرنا ہوگا۔

ترجمۂ قرآن و تفسیر کی تدریس کے دوران کن تفاسیر کو مطالعہ میں رکھیں؟

''يتيمةُ البيان'' میں محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بات لکھی ہے کہ چار تفاسیر ایسی ہیں کہ اگر ان کا اہتمام سے مطالعہ کر لیا جائے تو فی الجملہ کہا جا سکتا ہے کہ دیگر تفاسیر سے ایک گونہ استغناء ہو جائے، اور انہوں نے اس کی ایک مثال دی، جیسے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی ''فتحُ الباري'' اگر پڑھ لیں تو ''صحیح بخاری'' پڑھانے والے کو ایک گونہ اس میں ''صحیح بخاری'' کی دیگر شروحات سے استغناء ہو جاتا

ہے۔ انہوں نے جن چار تفاسیر کا لکھا ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

❶-روح المعانی ❷-تفسیرِ کبیر ❸-تفسیر ابنِ کثیر

❹-تفسیرِ ابی السعود

البتہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے ''علومُ القرآن'' میں اس میں تفسیر قرطبی کا اضافہ کیا ہے، اور یہ بھی لکھا کہ ''یتیمۃُ البیان'' میں حضرت بنوریؒ کی اس بات پر نظر پڑی، تو لکھا کہ '' مجھے خوشی ہوئی کہ میری بات کی تائید ہوگئی۔''

پھر ہمیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ مضبوط مطالعہ کے بغیر طلبہ بھی مطمئن نہیں ہوں گے۔ پچیس، تیس سال پہلے چلے جائیں تو طلباء عام طور پر عقیدت کی چادر اوڑھ کر سبق میں بیٹھتے تھے، اب طلبہ بہت ہوشیار ہیں، ہمارے مطالعہ کا نقص ان کو پتہ چل جاتا ہے، وہ یہ بھی جانچ رہے ہوتے ہیں کہ آج استاذ صاحب جو تھوڑی دائیں بائیں کی باتیں کر رہے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس لیے ہمیں بہت اچھی طرح محنت کر کے پڑھانا ہوگا۔

کسی بھی کتاب میں دلچسپی کے لیے اس سے مناسبت اور ذوق ہونا ضروری ہے

چوتھی تمہیدی بات یہ ہے کہ کوئی بھی کتاب پڑھانے میں دلچسپی اس وقت ہوتی ہے جب اس کتاب سے مناسبت اور ذوق پیدا ہوجائے، اگر ذوق نہیں ہوگا تو طبیعت چلے گی نہیں، مطالعہ کرنے کے لیے دھکا دینا پڑے گا اور سال کے بیچ میں بھی کوشش کریں گے کہ کتاب بدل جائے، ورنہ اگلے سال تو ضرور کوشش کریں گے۔ بہت کم قسمتی ہوگی اگر ترجمۂ قرآن میں یہ کیفیت پیدا ہو، اس لیے اس کو اللہ سے مانگنا بھی پڑے گا اور ایسی کتب کا مطالعہ کرنا ہوگا جن سے ہمارا ذوق جوان ہو، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''میری علمی اور مطالعاتی زندگی'' میں لکھا ہے اور کہیں اور بھی میں نے پڑھا تھا، ایک دفعہ اگر قرآن کے ساتھ طبیعت لگ جائے نا تو پھر بہت ساری دیگر تصنیفات اور دیگر فنون میں طبیعت نہیں چلے گی، بس ایک دفعہ تیلی جلنے کی دیر ہے اور ایک دفعہ چولہا جلنے کی دیر ہے، پھر ہماری طبیعت چل جائے گی۔

یہ کچھ تمہیدی اور اصولی باتیں میں نے آپ کی خدمت میں عرض کردیں، اب متعلقہ موضوع کے بارے میں عرض کرتا ہوں:

① مقدمۃ العلم سے آگاہی

مدرس کوئی بھی فن پڑھائے، اس کو اس فن سے متعلق ابتدائی باتیں جس کو مقدمۃ العلم اور مقدمۃ الکتاب کہا جاتا ہے، اس کا علم ضروری ہے۔ آپ ترجمۂ قرآن کو لے لیں، تو اس سے متعلق جو تمہیدی اور مقدمۃ العلم کی باتیں ہیں، وہ ہمیں علی بصیرۃٍ پتہ ہونی چاہئیں، ممکن ہے کہ درجہ ثانیہ میں بتانے اور بیان کی نوبت نہ

آئے، لیکن ہمیں پوری طرح اس کا دَرک ہونا چاہیے، جمعِ قرآن، تاریخ علمِ تفسیر، اہم تفاسیر اور ان کا منہج، تفسیر کے مآخذ، اس سے متعلق ہمیں ضرور آگاہی ہونی چاہیے۔ اس کے لیے ہمارے سامنے کتب ہیں، اردو میں بھی مواد مل جائے گا، ابھی میں نے نام لیا ''علومُ القرآن'' حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا، ایک ''علومُ القرآن'' مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، بعض دفعہ ناموں میں اشتباہ ہوجاتا ہے اور خیال گزرتا ہے کہ دونوں کے مضامین ایک ہیں، ایسا نہیں ہے، بعض خاصے کی چیزیں مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی ''علومُ القرآن'' میں آپ کو ملیں گی۔ مولانا ڈاکٹر محمود احمد غازی کے ''محاضرات'' کئی علوم پر ہیں، آپ نے پڑھے ہوں گے، ان میں ''محاضراتِ قرآنی'' بھی ہیں جو ان کے اسلام آباد میں دیے ہوئے لیکچرز ہیں، وہ بھی پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ دوبارہ یاددہانی کرادوں کہ مدرس کا مطالعہ کبھی اس بنیاد پر نہیں ہوگا کہ مجھے کل سبق میں بتانا کیا ہے؟ بلکہ میرا مطالعہ سو فیصد ہوگا، بے شک اس میں سے دس فیصد باتیں بتانی ہیں۔

④: ترجمۂ قرآن

درجہ ثانیہ سے درجہ خامسہ تک ہمارا جو سبق ہے، اس میں بڑا عنوان ''ترجمہ'' ہے۔ تفسیر بیان تو کی جاتی ہے، لیکن اصل جو مطلوب ہے وہ ترجمہ ہے، اگر یہ ذہن میں نہ ہوا تو بعض دفعہ آپ جانتے ہیں کہ مدارس میں جو جدول اور تقسیمِ اسباق کا نقشہ لگتا ہے اس میں بھی لکھ دیا جاتا ہے: ''تفسیر''، لیکن اس کا اثر یہ پڑتا ہے کہ طالبِ علم ہو یا استاذ ہو، ترجمہ کی وہ اہمیت ذہن میں نہیں رہتی، ہمارا اصل مطمحِ نظر ترجمہ ہے، اگر یہ ترجمہ ہمارے قابو میں نہ آیا اور ہم نے درسِ قرآن کے انداز میں، یا بیان کے انداز میں تفسیر کردی، تو ہم پورا مقصد ادا نہیں کررہے۔

ترجمہ کی تین نوعیتیں

ڈاکٹر محمود احمد غازی کے محاضرات اگر آپ پڑھیں گے اس میں بہت تفصیل سے یہ بات لکھی ہے، ترجمے تین طرح کے ہوسکتے ہیں، ایک ''تحت اللفظ ترجمہ''، دوسرا ''سلیس ترجمہ'' اور تیسرا ''بامحاورہ ترجمہ''، اب تینوں ترجموں میں کیا فرق ہے؟ یہ بتانے کا ابھی موقع بھی نہیں ہے، لیکن بتانے کی بات ابھی یہ ہے کہ درجہ ثانیہ سے لے کر درجہ خامسہ تک اصل تو ''تحت اللفظ ترجمہ'' اور ''سلیس ترجمہ'' ہے۔ جبکہ ''بامحاورہ ترجمہ'' بعض جگہوں پر تو کرنا پڑے گا جہاں آیت مشکل ہوگی اور اس کے بغیر سمجھ میں نہ آرہا ہو، جیسے مساجد میں درسِ قرآن میں آپ حضرات کا واسطہ رہتا ہوگا، لیکن طلبہ کو ہمیں آیت سے مناسبت پیدا کرانی ہے تو ہمیں ''تحت اللفظ ترجمہ'' بھی کرنا ہے، تاکہ ان کو ''مفردات'' کا ترجمہ آجائے، اور ''سلیس ترجمہ'' بھی اس لیے ہو کہ اولیٰ سے رابعہ تک طلبہ صرف ونحو کی کتابیں پڑھ رہے ہوتے ہیں، تو اس کو ترکیبی لحاظ سے بھی جملہ سمجھ میں آرہا ہونا چاہیے کہ کہاں ''فاعل'' آیا؟ کہاں ''مفعول'' آیا، کہاں ''مرکب'' مکمل ہوا؟ کہاں ''مبتدا''؟ کہاں ''خبر''؟ کہاں ''جملہ معترضہ''؟ کہاں

''جملہ حالیہ''؟ اور کبھی حسبِ ضرورت بامحاورہ ترجمہ بھی، جیسے کہیں محاورہ آ گیا، مثلاً ''وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ أَيْدِيْهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا قَالُوْا ...إلی آخر الآیۃ'' اس میں ''وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ أَيْدِيْهِمْ''، یہ ٹھیٹھ محاورہ ہے عربی کا، اب یہاں بامحاورہ ترجمہ کیے بغیر طلبہ کی تشنگی دور نہ ہوگی۔

تو خلاصہ یہ کہ اصل ''تحت اللفظ ترجمہ'' ہے اور اس کے ساتھ ''سلیس ترجمہ'' ہے اور حسبِ موقع ''بامحاورہ ترجمہ'' کرنا ہے۔ سلیس ترجمہ اور بامحاورہ ترجمہ کا فرق آپ کو محاضراتِ قرآنی میں بھی مل جائے گا۔

ترجمہ کے لیے معاون کتب

''تحت اللفظ ترجمہ'' کے لیے اساس تو حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے۔ ''بیانُ القرآن''، ''معارفُ القرآن'' کی ''خلاصۂ تفسیر'' کو جمع کرلیا تو ترجمہ پر گرفت حاصل ہوجائے گی۔

اجتہادی ترجمہ کرنے سے گریز کیا جائے

یہاں ایک بات عرض کرنی ہے، وہ آگے ''تفسیر'' میں بھی کام آئے گی، لیکن ایسا نہ ہو کہ آگے رہ جائے تو ابھی عرض کر دیتا ہوں، ہم نے دیکھا کہ اکابر ترجمہ میں احتیاط اتنی کرتے ہیں کہ بڑوں کے ترجمے سے سرِ مو انحراف نہیں کرتے، کوشش یہ کی جائے کہ ترجمہ اجتہادی نہ ہو، مثلاً حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی فضائلِ اعمال میں جہاں جہاں آیت آئی تو ''بیانُ القرآن'' کے ترجمہ سے ہٹے نہیں، اس لیے ہمیں ''ترجمہ'' میں کوئی ایسی تعبیر اختیار نہیں کرنی جو صرف ذاتی ذوق کی عکاس ہو، یہ امانت کا معاملہ ہے، عام عبارات میں ہم اپنی تعبیر شاید کر پائیں، قرآنِ پاک میں نہیں کر سکتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کتنے بڑے آدمی ہیں؟! ''أعلمُ الصحابة''، ان سے ایک آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: میں نہیں جانتا، پوچھنے والے نے تعجب سے عرض کیا: آپ نہیں جانتے؟! اس پر فرمایا: ''أَيُّ أَرْضٍ تُقِلُّنِيْ وَ أَيُّ سَمَاءٍ تُضِلُّنِيْ إِذَا أَنَا قُلْتُ فِي الْقُرْآنِ مَا لَا أَعْلَمُ . أو کما قال''، مجھے کونسی زمین اور کونسا آسمان پناہ دے گا اگر قرآن میں، میں نے اپنی طرف سے لب کشائی کی، یہ کون کہہ رہا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں، ان سے زیادہ بھلا کون قرآن کو جانتا ہوگا؟!

③ حلِ مفردات

ہمارا ترجمہ حل نہیں ہوگا جب تک کہ ہم ''مفردات'' طلباء سے حل نہ کرالیں، طلباء کو صیغوں کی پہچان نہ ہو، ابھی حضرت مولانا امداد اللہ صاحب فرما رہے تھے کہ میں دورۂ حدیث والوں سے دعائے قنوت سنتا ہوں اور سنتا صرف نہیں ہوں بلکہ پوچھتا ہوں کہ یہ صیغہ کونسا ہے؟ ''حلِ مفردات'' کے تین جزء ہیں: لغوی معنی، صیغہ کی

پہچان اور نحوی لحاظ سے حل، مگر اس کو آسان کر کے طلبہ کو متوجہ کیا جائے، شرح مائۃ عامل کی ترکیب کا انداز نہ اختیار کیا جائے۔ طلبہ کے پاس ''بیاض والا قرآن'' ہونا چاہیے۔ ہم طلباء کو کہیں گے کہ آپ کے پاس پنسل ہونی چاہیے، اور جب آپ صبح سبق میں آئیں گے تو مفردات اور صیغوں کو حل کر کے آئیں گے۔ نحوی لحاظ سے حل کرانے میں اگر صرف وجہ اعراب طلبہ کو واضح ہو جائے تو کفایت ہو جائے گی، (یہ کم از کم بات ہے)، یعنی یہاں رفع کیوں پڑھ رہے ہیں؟ نصب کس نے دیا؟ جر کس نے دیا؟۔

اور استاذ کا کام ہے کہ طلبہ کو لغت اور قاموس دیکھنے پر پابند کرے، اس لیے کہ وہ کیسا طالبِ علم ہے جو مطالعہ کے بغیر آجائے؟! اور وہ کیسا طالبِ علم ہے جس کے پاس ''لغت'' اور ''قاموس'' نہ ہو؟! طلبہ پر تھوڑا بوجھ ڈالا جائے اور کام کرنے پر حوصلہ افزائی کی جائے۔

حلِ مفردات کے لیے معاون کتب

بنیادی چیز تو لغت ہے، ''مصباحُ اللغات'' اور دیگر بہت ساری ''قوامیس'' ہیں، اور ''مفرداتُ القرآن'' پر بھی مستقل کتابیں ہیں، مولانا محمد عبدالرشید نعمانی صاحب کی کتاب ہے، مولانا عبدالرشید گجراتی کی بھی ایک کتاب اسی نام سے ہے، مولانا نسیم بارہ بنکوی کی ''منتخب لغات القرآن'' دارالہدیٰ والوں نے چھاپی ہے، اس میں طلباء کو بہت آسانی ہے، کیوں کہ عام طور پر ''مصباحُ اللغات'' وغیرہ میں حروفِ اصلیہ کے لحاظ سے ڈھونڈنا پڑتا ہے، اگر درجہ ثانیہ کا طالبِ علم صرف میں کمزور ہے اور حروفِ اصلیہ کے لحاظ سے ''مصباحُ اللغات'' سے استفادہ نہیں کر پا رہا، تو یہ ''منتخب لغات القرآن'' قرآن کی ترتیب پر ہے۔

ایک مفید کتاب شامی عالم محی الدین درویش (متوفی: ۱۹۸۲ء) کی ''إعراب القرآن الکریم'' ہے، اس پر محقق نے چار پانچ صفحات میں مقدمہ خوب لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآنِ پاک پڑھنے والے کو اعراب یعنی ترکیب کا پتہ ہونا کیوں ضروری ہے؟ نصوص کی روشنی میں بہت اچھا سمجھایا ہے۔

ایک اور مفید کتاب مولانا نعمت اللہ اعظمی کی ''نِعم البیان'' ہے، پتہ نہیں چھپی ہے یا نہیں؟ میرے پاس پچھلے دنوں اس کا پی ڈی ایف آیا ہے، وہ شاید ناقص بھی ہے، سورۂ قٓ سے ترجمہ وتفسیر ہے، لیکن اس کا مقدمہ بہت جان دار اور فوائد پر مشتمل ہے۔ ''حروفِ عاطفہ''، ''حروفِ استفہام''، ''بَلٰی''، ''کَلَّا''، ان کا ہم ایک ہی ترجمہ کر رہے ہوتے ہیں، ایسا نہیں ہے، اُس کتاب میں لکھا ہے: ''بَلٰی'' کا ترجمہ ہمیشہ ''بلکہ'' سے نہیں ہوگا، اور ''کَلَّا'' کا ترجمہ ہمیشہ ''ہرگز'' سے نہیں ہوگا، پھر اس کی بہت ساری مثالیں دی ہیں، ان میں یہ مثال بھی ہے: ''کَلَّآ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغٰی''، تو مفردات کے حل میں یہ ساری باتیں آئیں گی۔

مفردات کے ذیل میں ایک اہم بحث: قسم اور جوابِ قسم کی ہے

ایک اور بات جو درجہ ثانیہ میں بہت پیش آتی ہے، وہ ہے ''قسم اور جوابِ قسم''، درجہ ثانیہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ''عم پارے'' میں جملہ قسمیہ بہت ہیں، اور عام طور وفاق کے سوال میں ایک سوال: قسم اور جوابِ قسم کا ضرور آجاتا ہے کہ جوابِ قسم متعین کریں، تو اس لیے مفردات ہی کے ذیل میں یہ کام بھی بہت ضروری ہے۔ پہلے ہمیں بہت اچھی طرح قسم کی بحث نحو کی کتابوں میں دیکھ لینی چاہیے، ''هدايةُ النحو'' کو اساس بنائیں، لیکن ''هدايةُ النحو'' پر اکتفانہ کریں، اگر ہم ''النحو الوافي'' یا ابنِ ہشام کی ''شذورُ الذهب'' دیکھ لیں گے تو ہمیں قسم کی بحث سمجھ میں آجائے گی، اس میں تین باتیں اہم ہیں: ایک ''اداتِ قسم'' ہے، دوسرا ''مقسم بہ'' یا ''مقسم بہا'' ہے، اور تیسرا ''مقسم علیہ'' یا ''جوابِ قسم'' ہے، ''وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا''، یہاں واؤ ''اداتِ قسم'' ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے قسم کس کی کھائی؟ یہ ''مقسم بہ'' یا ''مقسم بہا'' بنے گا، پھر اس کو سمجھانا کہ ''نٰزِعٰت'' سے باری تعالیٰ کی کیا مراد ہے؟ ''تِیۡن'' کی قسم باری تعالیٰ نے کیوں کھائی؟ ''عٰدِیٰت''، گھوڑوں کی قسم کیوں کھا رہے ہیں؟ یہ سب سمجھانا ضروری ہے، یہ ''مقسم بہا'' ہے، پھر جب میں نے قسم کھائی تو اس کا کوئی نہ کوئی ''جوابِ قسم'' ہوگا، تو باری تعالیٰ بھی کسی بات پر قسم کھاتے ہیں، جس بات پر باری تعالیٰ قسم کھائیں گے وہ ''جوابِ قسم'' ہوگا، بعض مرتبہ مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ ''جوابِ قسم'' کہیں دور ہوجاتا ہے تو طلباء کو متعین کرکے بتانا کہ دیکھو ''جوابِ قسم'' یہ آرہا ہے۔

④ ترجمۂ قرآن حل کرنے کے ساتھ ساتھ مختصر تفسیر

اگلا مرحلہ تفسیر کا ہے، میں نے عرض کیا کہ اصل تو ترجمۂ قرآن ہے، لیکن چوں کہ تفسیر بیان کی جاتی ہے اور بیان کرنی بھی چاہیے، کیوں کہ اس میں ایک پہلو یہ ہے کہ اگر ہم ''تفسیرِ جلالین'' کا انتظار کریں اور ان تین یا چار سالوں میں ہم صرف ترجمہ پر اکتفا کرائیں تو اشکال یہ ہوتا ہے کہ ''تفسیرِ جلالین'' کی اپنی مقدرات کو سمجھائیں یا تفسیر کریں؟ اسی میں فارغ نہیں ہوتے اور ''تفسیرِ بیضاوی'' تو پاؤ پارہ ہے، تو تفسیر بایں معنیٰ کہ قرآنِ پاک سمجھ میں آئے، یہ کب ہوگا؟ پھر ایک اشکال یہ ہوتا ہے جو آپ حضرات کے ذہنوں میں بھی آتا ہوگا کہ بعض دفعہ وفاق کے پرچوں میں بھی تفسیری سوال آجاتا ہے تو تفسیر بتائیں لیکن مختصر۔

اب مختصر کیسے کریں گے؟ تو اس میں چند باتیں میں مشورۃً عرض کررہا ہوں، آپ حضرات اس کو بہتر انداز سے کررہے ہوں گے۔

سب سے اہم بنیاد باری تعالیٰ کی مراد کا واضح ہوجانا

تفسیر کی بنیاد یہ ہے کہ باری تعالیٰ مجھ سے مخاطب ہیں، باری تعالیٰ کی بات مجھے سمجھ میں آنی چاہیے،

اب اس کو آپ مزید کھولتے چلے جائیں، اس کے ذیل میں ربط کی بات بھی آئے گی، جو ایک الگ موضوع ہے، یہ الگ بات ہے کہ بعض مرتبہ ربط واضح نہ ہوگا تو طلبہ کو بتانا ہوگا کہ کلام تو مربوط ہے، مگر ہماری سمجھ ناقص ہے۔

شانِ نزول کہاں بیان کرنا چاہیے؟

شانِ نزول کے بارے میں ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے، ''الفوزُ الکبیر'' میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے: بعض اسبابِ نزول ایسے ہیں کہ ان کے بغیر آیات ہی سمجھ نہیں آئیں گی، وہاں تو بیان کرنا ضروری ہے اور وہ واقعی سببِ نزول ہے، اور وہی واقعہ ان آیات کے نزول کا سبب بنا ہے، جیسے سورۂ مائدہ کے آخر میں ''یٰأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِکُمْ الخ'' لیکن بعض جگہ پر تفاسیر میں سببِ نزول لکھا تو ہے اور احادیث میں ''نزلت في کذا'' وارد ہوگا، مگر ضروری نہیں کہ وہ آیت فلاں قصہ ہی پر نازل ہوئی ہو، بلکہ بسا اوقات صحابیؓ کے ساتھ قصہ پیش آیا تو اس کو آیت کا حوالہ دیا گیا، آیت تو پہلے نازل ہوچکی، مگر صحابیؓ اس کو اپنے حق میں سمجھ کر نقل کرتا ہے۔

تفسیر کے ذیل میں ایمانی اور نظریاتی تربیت

تدریس میں رخ ایسا بن گیا ہے کہ امتحانی مقامات پر تو توجہ زیادہ ہوتی ہے، مگر وہ جگہیں خصوصاً قرآن کریم میں جو شاید مشکل تو نہ ہوں، مگر شخصی و ایمانی تربیت کے لحاظ سے اہم ہوں، اس پر بھی توجہ دینی چاہیے۔ ہم نے درجہ خامسہ کا ترجمہ حضرت مولانا عبدالقیوم چترالی رحمہ اللہ سے پڑھا۔ ہمارے بنوری ٹاؤن کے ناظمِ تعلیمات بھی تھے۔ اس زمانے میں درجہ خامسہ میں آخر کے دس پارے تھے، ''سورۂ عنکبوت'' سے سبق شروع ہوا، مجھے یاد ہے کہ ''أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ یُّتْرَکُوْا أَنْ یَّقُوْلُوْا آمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ'' میں بہت وقت لگایا، پھر ''سورۂ روم'' آئی تو ''سورۂ روم'' میں یہ جو رکوع ہے: ''وَمِنْ آیَاتِهٖ أَنْ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ''، ''وَمِنْ آیَاتِهٖ أَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ أَنْفُسِکُمْ'' اس کو عام فہم انداز میں بہت دیر سمجھایا۔

میں نے مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی ''میری علمی اور مطالعاتی زندگی'' کا پہلے حوالہ دیا، اس میں انہوں نے ایک بات لکھی: ''ہمارے ایک استاذ تھے، عرب تھے، وہ ہمیں قرآن پڑھاتے تھے، روتے بھی تھے، رُلاتے بھی تھے۔'' پھر لکھا: ''مجھے توحید اس وقت سمجھ میں آئی جب انہوں نے ہمیں ''سورۂ زمر'' پڑھائی'' ہم میں سے کون سورۂ زمر کو اس انداز سے پڑھاتا ہے، ہم تو اس کو بہت آسان لے لیتے ہیں۔

میں کہنا یہ چاہ رہا ہوں کہ قرآن ہمیں اس انداز سے پڑھانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام، اللہ کرے کہ مجھے سمجھ میں آجائے اور میں اس طرح پڑھاؤں کہ طلباء کو سمجھ میں آجائے۔ قرآنی قصص بھی تو اسی لیے ہیں، یوں ہی تو قرآن نے نہیں کہا: ''لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِی الْأَلْبَابِ''، ''وَکُلًّا نَّقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ أَنْبَاءِ

الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ''، سورۂ شعراء اور سورۂ ہود میں تکرار ہے، یہ تکرار اس لیے نہیں ہے کہ ہم سبق جلدی سے نمٹا دیں، بلکہ نہیں، باری تعالیٰ کچھ بتانا چاہ رہے ہیں۔

اس پر تفاسیر کے بارے میں پہلے چار یا پانچ تفاسیر کا نام حضرت بنوریؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے حوالے سے عرض کر دیا، اس کے علاوہ ''معارفُ القرآن'' (مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی، دونوں) ''تفسیر عثمانی''، ''أیسر التفاسیر'' ابوبکر جابر جزائریؒ کی اور امام ابن جوزیؒ کی ''زادُ المسیر'' سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے، ''زادُ المسیر'' میں ارشادی پہلو بہت ملیں گے۔

۵ قرآن پاک کا بلاغی پہلو بھی ہمیں معلوم ہونا چاہیے

ایک اہم بات میں صرف گوش گزار کر رہا ہوں، درجہ ثانیہ، درجہ ثالثہ بلکہ شاید درجہ رابعہ میں تو بتانے کی نہیں ہے، شاید درجہ خامسہ میں بتانے کی ضرورت پڑے، لیکن میں نے پہلے بھی عرض کیا کہ مدرس کو پوری طرح مسلح ہونا چاہیے اور کبھی کبھار ہمیں طلبہ کو بھی متوجہ کرنا چاہیے، وہ ہے قرآنِ پاک کا بلاغی پہلو۔ آپ حضرات جانتے ہیں کہ علم تفسیر کے مقدمہ میں ایک عنوان ''اعجاز القرآن'' کا آتا ہے، جس کے ذیل میں قرآن کے وجوہِ اعجاز کا بیان بھی آتا ہے، تو قرآن پاک کے اعجاز و بلاغی پہلو کو بھی آشکارا کرنا چاہیے، اس کے لیے استاذِ محترم حضرت مولانا محمد انور بدخشانی دامت برکاتہم نے ہماری رہنمائی ابن عاشور کی ''التحریر والتنویر'' کی طرف کی۔ تفسیر قرطبی میں بھی یہ مباحث ملیں گے۔

۶ طلبا کو توجہ دلانے کے لیے سبق سننے/ دہروانے کا اہتمام ہونا چاہیے

ایک بات یہ ہے کہ سبق سننے کا اہتمام ہو، منتہی درجات کی طرح صرف تقریر کر لینے پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ ان درجات کے طلبہ کو اگلے دن ضرور پچھلا سننا ہوگا، یہ کام دراصل خود مدرس کے لیے بھی کٹھن ہے۔

سبق سے پہلے ناظرہ خواں طلبا سے قرآنِ پاک پڑھوانے کا اہتمام کریں

ایک بات یہ محسوس ہوئی جب میرے ذمہ درجہ ثالثہ کا ترجمہ لگا کہ جیسے عام درس میں طلبہ سے ہم عبارت پڑھواتے ہیں، ایسے ہی طلبہ سے قرآن کریم کی تلاوت بھی کروائیں، خصوصاً جو طلبہ حافظ نہ ہوں ان سے ضرور پڑھوائیں، بعض مرتبہ ان کی تلاوت لحنِ جلی پر مشتمل ہوتی ہے۔

بس میں اسی پر اپنی بات ختم کروں گا، اللہ تعالیٰ اس مجلس کو قبول فرمائے، ہمارے اکابر و اساتذہ جنہوں نے ہماری تربیت کے لیے اس اجتماع کا انعقاد کیا، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے، اور اللہ تعالیٰ اس مجلس کو قبول فرما کر ہم سب کی اور ہمارے والدین کی مغفرت کا ذریعہ بنائے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

نامور محدّث ومحقق شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ
کا تالیفی وتحقیقی منہج اور چند نمایاں آراء وافکار

مولانا محمد یاسر عبداللہ
استاذِ جامعہ

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ کی شخصیت وتعارف

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ، موجودہ دور کے ایک وسیع النظر محقق اور بلند درجہ محدّث ہیں۔ وہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ اور شیخ عبداللہ سراج الدین رحمہا اللہ جیسے نامور محققین کے دامنِ تربیت سے وابستہ رہے ہیں اور ان بلند پایہ ہستیوں کی سالہا سال کی محنتوں سے تراشیدہ ہیرہ ہیں۔ لگ بھگ پینتیس برس شیخ ابو غدہ رحمہ اللہ سے فیض یاب ہوتے رہے، شیخ موصوف انہیں عنفوانِ شباب میں ہی ''تلمیذُ الأمس وزمیلُ الیوم'' (کل کے شاگرد اور آج کے رفیق) جیسے بلند الفاظ سے یاد کرتے اور ان کی علمی صلاحیتوں پر اعتماد کرتے تھے۔ علومِ اسلامیہ کی متعدد جہتیں شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ کی تحقیق وتالیف کی جولان گاہ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص کرم کی بدولت انہیں عقلِ سلیم، ذکاوت وذہانت، دور اندیشی، آزمودہ کاری اور تاریخ وزمانہ سے آگہی کے ساتھ علمی ذوق اور تنقیدی حِس جیسی گراں قدر دولتیں عطا فرما رکھی ہیں۔ ان کی کتابوں کا قاری اور ان کی مجلسوں کا حاضر باش ان اوصاف وکمالات کی گواہی دے گا۔ ان کی گفتگو مستحکم و مدلّل اور علم وتربیت وفکر سے مزیّن ہوتی ہے، کبھی کبھار ادبی تنقید بھی کرتے ہیں، اور کوئی معاصر، علمی میدان میں حدود سے تجاوز کرے اور شذوذ وتفرُّد کو کامیابی کی سیڑھی بنانے لگے تو غیرتِ ایمانی کے تئیں ایسے لوگوں پر کڑی تنقید بھی کر جاتے ہیں۔

شیخ موصوف کے صاحب زادے ڈاکٹر محی الدین محمد عوامہ حفظہ اللہ ''الولدُ سرٌّ لأبیه'' (بیٹا، باپ کا پَرتو ہوتا ہے) کا مصداق ہیں۔ والدِ گرامی کے نقشِ قدم پر گامزن اور متعدد علمی وتحقیقی کاوشوں کے حامل ہیں۔ کچھ عرصہ قبل انہوں نے اپنے والدِ معظّم کے احوال وافکار کے متعلق ''صَفحاتٌ مُضیئةٌ من

حياة سيدي الوالد العلّامة محمد عوّامة'' کے نام سے ایک کتابچہ مرتب کر کے شائع کیا ہے۔اس رسالہ کے ایک حصہ میں لائق فرزند نے فائق پدر کے تالیفی وتحقیقی منہج پر روشنی ڈالی اور ان کے نمایاں آراء ونظریات کو سپردِ قلم وقرطاس کیا ہے۔پیشِ نگاہ مضمون میں رسالہ کے اسی حصے کو طلبہ واہلِ علم کے استفادہ کی غرض سے کسی قدر اختصار کے ساتھ ''اُردوایا'' جارہا ہے، اور بوجوہ حرفی ترجمہ کے بجائے رواں ترجمانی کو ترجیح دی گئی ہے۔

شیخ حفظہ اللہ کے چند نمایاں آراء وافکار

شیخ حفظہ اللہ کی حیاتِ مستعار کے بعض اہم علمی وتربیتی آراء وافکار درج ذیل نکات کی صورت میں ملاحظہ فرمایئے:

❶ جمہور علمائے امت پر اعتماد

شیخ موصوف، لوگوں کو جمہور علماءِ امت کے منہج پر ثابت قدم رکھنے اور ائمہ متقدمین (خاص طور پر ائمہ اربعہ) پر ان کا اعتماد برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔قرآن وسنت کا نام لے کر ان ائمہ کو غیر مستحکم کرنے یا ان پر بلا جواز طعن وتشنیع کے سخت ناقد ہیں، ایسے لوگوں کی علمی کمزوریوں کو واشگاف کرتے اور ان کی جہالت کا پردہ چاک کرتے ہیں۔شیخ 'مذاہبِ اربعہ سے خروج کے قائل نہیں، اور نہ ہی تلفیق اور رخصتوں کی جستجو کو رَوا جانتے ہیں، بلکہ ان کی نظر میں تتبعِ رُخص' خواہشاتِ نفسانیہ کی پیروی اور قلبی مرض ہے۔شیخ موصوف اس طرزِ فکر کے سخت ناقد ہیں۔شیخ نے اپنی دو کتابوں ''أثر الحديث الشريف في اختلاف الأئمة الفقهاء'' اور ''أدب الاختلاف في مسائل العلم والدين'' میں مذاہبِ اربعہ کی اتباع کی ضرورت کو واضح کیا ہے۔ان دونوں کتابوں میں شیخ کا وہ فکری منہج عیاں ہے، جس کی ترویج کی خاطر وہ شب وروز کوشاں ہیں۔

شیخ موصوف' تمام علمائے امت کا احترام کرتے، اور ان کی عیب جوئی کو ناروا سمجھتے ہیں، شیخ ان ائمہ کو اسلام کے لہراتے پھریرے اور دمکتی قندیلیں قرار دیتے ہیں، بھلا کوئی عقل مند انسان ان پھریروں کو سرنگوں کرنے اور ان قندیلوں کو بجھانے کی جرأت کرسکتا ہے؟!

❷ طلبۂ علم کے لیے تربیتی منہج

شیخ حفظہ اللہ نے اپنا علمی وتربیتی منہج اپنی کتاب ''معالم إرشادية لصناعة طالب العلم'' میں تفصیل سے واضح کردیا ہے۔اس کتاب کے عنوانات ان کی تربیتی آراء کا حاصل ہیں، جن پر وہ طلبۂ علم کو رواں دواں دیکھنا چاہتے ہیں۔ان کی خواہش ہے کہ ائمہ سلف اور باعمل علماء کی مانند ایک طالب علم کی

چال پُراعتماد ہو، مضبوط بنیادوں پر قائم ہو، اور وہ علم کی راہ میں تدریج کا لحاظ رکھتے ہوئے گامزن ہو۔ یوں وہ فکری بے راہ روی اور ذہنی انتشار سے محفوظ رہے گا، اور اس کی آراء میں تضاد نہ ہوگا۔ ان کا ماننا ہے کہ اگر طالب علم کی بنیادی تربیت عمدہ ہو تو وہ فکری اعتبار سے درست راہ پر قائم رہتا ہے، اس کے علمی منصوبے صحیح سمت میں ہوتے ہیں، معاصر اہلِ علم اس سے مطمئن رہتے ہیں، اور انہیں اس کے شاذ افکار ونظریات کی تردید کی ضرورت نہیں رہتی۔ ایسا طالب علم مستقبل میں معاشرے کی تعمیر وترقی اور اگلی نسلوں کی تربیت میں اپنا حصہ ڈالتا ہے۔ فی زمانہ ایسے باتوفیق علماء نادر وکمیاب ہیں۔

❸ تخریجِ احادیث کا مثالی اسلوب

شیخ موصوف طلبۂ علم کے ذہنوں میں یہ خیال جاگزیں کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ تخریجِ احادیث کا مقصد کسی حدیث کے ثبوت کا پتہ لگانا اور اس کے وجود کی تحقیق کرنا ہے، بلاوجہ حدیث کا رد یا نفی مقصود نہیں ہونا چاہیے۔ معاصر اہلِ تخریج (تخریجی فہرستوں کے مرتبین، جن کی تخریج کی ابتدا ''صحیح بخاری'' سے اور انتہا ''مسندِ فردوس دیلمی'' اور ''تهذيب الكمال'' پر ہوتی ہے) کو جب حدیث کی سند کے کسی راوی میں کوئی اشکال (خواہ مضبوط ہو یا کمزور) دکھائی دیتا ہے تو اس حدیث کے متعلق کلام میں جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے ضعیف قرار دے دیتے ہیں، حدیث کی معاضد اور متابع روایات کی چنداں جستجو نہیں کرتے، اور نہ ہی متعلقہ راوی کے بارے کہے گئے الفاظِ جرح کی تحقیق کی زحمت کرتے ہیں، تاکہ حدیث کو تقویت مل سکے اور اس کا معنی ثابت ہو سکے۔ یہ لوگ تحقیق کی راہ کے ان جاں گُسل مراحل سے کوسوں دور اور ان کی اہمیت وضرورت سے نابلد ہیں۔

❹ علمِ جرح وتعدیل کے داخلی مسائل سے آگاہی

شیخ حفظہ اللہ اپنے طلبۂ علم میں علمِ جرح وتعدیل کے داخلی مسائل سے آگہی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ جرح وتعدیل کے متعلق ہر قول قابلِ قبول نہیں ہوتا، نہ ہر رائے قابلِ اعتماد ہوتی ہے، بلکہ طالب علم کے ذمہ ہے کہ جرح وتعدیل کے مراتب اور اقوال (خاص طور پر جرح کے اقوال) کے پس منظر کی تحقیق ومراجعت اور کھود کرید کرے؛ کیونکہ ان اقوال کے پسِ پشت بہت سے داخلی اسباب اور مخفی وجوہات ہوتی ہیں، جن سے واقفیت طالب علم کے لیے ضروری ہے۔ کتبِ حدیث ورجال سے متعلق شیخ موصوف کی تحقیقات (خصوصًا ''مصنف ابن أبي شيبة'' اور ''الكاشف للذهبي'' کے حواشی) سے یہ نکتہ واضح ہوتا ہے۔

❺ امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق پر اعتماد

شیخ موصوف کی سوچی سمجھی رائے ہے کہ رجالِ حدیث کے تعلق سے امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق (ثقہ قرار دینے) پر اعتماد کیا جانا چاہیے۔ معاصر اہلِ علم کے ہاں عام طور پر امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اس مشہور رائے کو مِن وعَن تسلیم کیا جاتا ہے کہ امام موصوف' رجال کی توثیق میں متساہل ہیں، اور وہ (کتاب ''الثقات'' میں) معروف وغیر معروف راویوں کا ذکر کر جاتے ہیں، لہٰذا ان کی توثیق قابلِ اعتماد نہیں اور ان کی آراء قابلِ قبول نہیں۔ لیکن شیخ حفظہ اللہ امام ابنِ حبان رحمۃ اللہ علیہ کا شدت سے دفاع کرتے ہیں، انہوں نے ''مقدمة المصنف'' اور ''مقدمة الكاشف'' میں دلائل کے ساتھ اپنی رائے واضح کی ہے، اور اس مسئلے کے متعلق ایک مستقل رسالہ بھی مرتب کیا ہے، جو ان کے سلسلۂ رسائل ''أبحاثٌ حديثيةٌ هادفةٌ لتصحيح المسار العلمي'' کا حصہ ہے۔

❻ اہلِ علم کے پانچ درجات

شیخ حفظہ اللہ اپنی مجلسوں میں اکثر یہ تاکید کرتے رہتے ہیں کہ اُمتِ مسلمہ کو پانچ درجات کے طلبۂ علم درکار ہیں:

① پہلا درجہ: جو منبر ومحراب کو سنبھال سکیں، اور ایک محلے کے باسیوں کے رہبر بن سکیں۔

② دوسرا درجہ: ایک شہر کی ضروریات کو پورا کرنے والے اہلِ علم۔

③ تیسرا درجہ: ملکی سطح کے علماء، جو اس ملک کی دینی مشکلات اور جدید معاملات کا حل پیش کر سکیں۔

④ چوتھا درجہ: عالمِ اسلام کے پائے کے مشائخ۔

⑤ پانچواں درجہ: دینِ اسلام کے متعلق پھیلائے گئے شبہات کی تردیدی صلاحیت کے حامل ہر علم کے متخصص اہلِ علم، بلکہ ہر علم کی متنوع انواع میں جزوی تخصص کے حامل علماء۔

کتب ورسائل میں موصوف کا عمومی منہج

شیخ حفظہ اللہ کے علمی منہج کی اساس وبنیاد درج ذیل تین امور ہیں:

❶ مضبوط علمی استعداد

❷ ٹھوس علمی منہج

❸ گہرا نقطہ نظر علمی

علمی مضبوطی کے تحت درجِ ذیل امور داخل ہیں:

کسی موضوع کے تمام پہلوؤں کا وسیع مطالعہ، نصوص کے معانی ومفاہیم کی معرفت وصحیح فہم، اور ان سے استدلال واستشہاد کی کیفیت سے آگاہی، ادبی طرزِ بیان اور اعلیٰ اسلوب۔

ٹھوس علمی منہج کی تربیت انہوں نے اپنے بلند پایہ اساتذہ ومشائخ سے پائی ہے، اور درس وتدریس، فہم وترکیز، بعدازاں تخریج وتحقیق، نکتہ رسی ودقت آفرینی میں وہ اسی منہج پر گامزن ہیں۔

مذکورہ امور کے ساتھ ساتھ اُمتِ مسلمہ کے احوال وحقائق اور طلبۂ علم کی ضروریات کے تعلق سے ان کا نقطۂ نظر بیدار مغزی پر مبنی ہے اور انہیں اُمت کے تمام طبقات اور گروہوں میں عام ہوتے علمی، فکری اور تربیتی انتشار کا گہرا ادراک ہے۔ نیز توفیقِ خداوندی کا کرشمہ ہے کہ وہ مرض کی تشخیص کے ساتھ دوا بھی تجویز کرتے ہیں، وہ ایک آزمودہ کار طبیب اور ماہر وتجربہ کار شخصیت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں اور ان کی آراء ونظریات کا خیر مقدم کیا جاتا ہے۔

شیخ موصوف کی تمام تحریروں (تالیفی ہوں یا تحقیقی) میں ان کا عمومی علمی منہج انتہائی دشوار ہونے کے باوجود یکساں طور پر منظّم، واضح منصوبہ بندی اور حد درجہ باریک بینی کا نمونہ ہے۔ ان کی صحبت کا ہر فیض یاب اس کی گواہی دے گا۔ شیخ کے عمومی منہج کو سمجھنے کے لیے درج ذیل نکات قابلِ غور ہیں:

① شیخ کی گفتگو اور تحریر دقت رسی پر مبنی ہوتی ہے، حسبِ ضرورت اختصار یا طوالت کو اختیار کرتے ہیں، ان کا ’اسلوبِ بیان‘ قوی اور ان کا ’منہج‘ واضح ہے، ایک ایک لفظ بلکہ حرف کو برتنے کا لحاظ رکھتے ہیں؛ کیونکہ ان کے نزدیک ایک حرف بھی دلیل کی حیثیت اور مستقل معنی ومفہوم رکھتا ہے، ان کے ہاں کسی لفظ کی تقدیم وتاخیر کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔

② اپنے آراء وافکار کو علماء سابقین اور ائمہ متقدمین کے اقوال سے مدلّل کرتے ہیں، اس موقع پر جس دلیل کو پہلے ذکر کرتے ہیں، وہی مقدم ہونے کی حق دار ہوتی ہے۔ متقدمین کے ہاں کوئی بات مل جائے تو اسے متاخرین سے نقل نہیں کرتے؛ گویا متقدمین کا کلام‘ شیخ موصوف کی زرہ اور ان کا فہم‘ شیخ کا قلعہ ہے۔

③ مصادرِ اصلیہ سے نقل کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں، نیز عبارت کا اچھی طرح تقابل کرتے ہیں، اور اپنے طلبہ کو بھی اس کی بہت زیادہ تاکید کرتے ہیں، اپنی ذات اور متعلقین کی حد تک اسے لازم کررکھا ہے۔ ڈاکٹر محی الدین محمد عوامہ حفظہ اللہ کا بیان ہے کہ ایک بار مجھ سے فرمانے لگے:

”ناقل اگر امام الائمہ بھی ہو تو سر آنکھوں پر، لیکن میرے لیے ان کی نقل کردہ عبارت کی مراجعت ضروری ہے، میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔“

یہ تو تب ہوگا کہ متعلقہ کتاب شائع ہوچکی ہو، اگر وہ کتاب مخطوط ہو، تب بھی اس کی مراجعت کی

کوشش کو ضروری سمجھتے ہیں، اس مخطوط کا حصول آسان ہو تو اسے حاصل کر کے مراجعت اور تقابل کرتے ہیں، اور عبارت کی تصدیق کر کے اس کے مطابق نقل کرتے ہیں؛ تاکہ عبارت صحیح سالم ہو اور کتاب کی جانب اس کی نسبت درست ہو جائے۔

④ شیخ موصوف منقولہ عبارتوں کی ان کے قدیم و اصلی مصادر کی جانب نسبت کرتے ہیں، یوں وہ اپنی ذات اور اپنی کتب کے قارئین کو ائمہ سے جوڑ دیتے ہیں؛ کیونکہ یہی ائمہ ہمارے لیے قابلِ اعتماد ہستیاں ہیں اور مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر کسی معاصر عالم سے کوئی عبارت ملے جو انہوں نے کسی متقدم سے نقل کی ہو اور وہ عبارت شیخ کے مقصود کے موافق ہو، تب بھی شیخ موصوف اصل ماخذ میں اس عبارت کی مراجعت کرتے، اور یہ اطمینان کرتے ہیں کہ عبارت صحیح سالم نقل ہوئی ہے یا نہیں، پھر براہِ راست اصل ماخذ کی جانب اس کی نسبت کرتے ہیں۔

⑤ عبارتوں کے مآخذ کی جانب نسبت کرتے ہوئے قدیم باسند کتاب کی طرف نسبت کو قدیم بے سند کتاب پر مقدم رکھتے ہیں، بلکہ باسند کتاب کو ہی ترجیح دیتے ہیں، بے سند کتاب کا ذکر کسی خاص نکتہ کی بنا پر ہی کرتے ہیں۔

⑥ مآخذ و مصادر کی جانب نسبت کرتے ہوئے پہلے درجہ میں کتاب کے صحیح تر ایڈیشن کو ترجیح دیتے ہیں، دوسرے درجہ میں متداول اور مشہور ایڈیشن کو اختیار کرتے ہیں، تاہم ایسے صحیح طبعات کا حوالہ نہیں دیتے جو مفقود یا نادر ہوں، اگرچہ وہ شیخ کے کتب خانہ میں موجود بھی ہوں؛ کیونکہ اس ایڈیشن تک عام قاری کی رسائی دشوار ہوتی ہے۔

⑦ شیخ کی کوشش ہوتی ہے کہ ان کا حوالہ اس انداز کا ہو جو اکثر طبعات کے موافق ہو جائے، تاکہ قاری کو بوقتِ ضرورت مراجعت میں سہولت ہو، اور اسے کتاب کا ایسا ایڈیشن خریدنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے جو اس کی دسترس میں نہ ہو۔

⑧ ہر حوالہ اس فن کی کتابوں سے ذکر کرتے ہیں، چنانچہ کسی لغوی کلمہ کی تحقیق کے لیے کتبِ لغت کی مراجعت کرتے ہیں، اور اصولی مسئلہ کے لیے کتبِ اصول کی جانب رجوع کرتے ہیں، بلکہ مزید باریک بینی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اگر شوافع کے کوئی فقہی یا اصولی مسئلہ کی تحقیق مقصود ہو تو شافعیہ کی کتبِ فقہ و اصول کی مراجعت کرتے ہیں۔ یہی طریقۂ تحقیق مالکیہ وغیرہ کے مسائل میں بھی ہوتا ہے۔ فقہِ مقارن (مذاہبِ اربعہ کی تقابلی فقہ) سے متعلق کتب (مذاہبِ اربعہ کی تقابلی کتب) کا حوالہ ذکر کرنا پسند نہیں کرتے؛ کیونکہ ہر فقہی مذہب کی مستقل کتابیں اور مآخذ موجود ہیں۔

⑨ حسبِ ضرورت دیگر فنون کے متخصصین سے بھی رجوع کرتے اور ان سے مشاورت کرتے

ہیں، کبھی ان سے خط وکتابت کرتے ہیں۔ جب فقہ شافعی میں شیخ باقشیر حَضرَمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''قلائد الخرائد'' کی تحقیق کررہے تھے تو مسئلہ تدخین (سگریٹ نوشی) کی تحقیق کے لیے ڈاکٹر عبداللہ کتانی سے خط وکتابت کی اور کتاب میں ان کی جانب اس کی نسبت بھی کی۔ اس اہتمام کی بنا پر شیخ حفظہ اللہ کی کتابوں اور آراء پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

⑩ جس عبارت میں قاری کو اشکالات پیش آسکتے ہیں، ان کے متعلق اسے راحت پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں، عبارت کی پیچیدگی کو حل کرتے اور اس کی توضیح کرتے ہیں، حسبِ ضرورت اعراب لگا دیتے ہیں، اور عبارت کے فہم میں دشواری محسوس ہو تو قاری کو حیرت و پریشانی میں مبتلا نہیں کرتے۔ اپنے طلبہ کو اکثر فرمایا کرتے ہیں: ''المحقّقُ خادمُ القارئ'' (محقق، قاری کا خادم ہوا کرتا ہے)۔

⑪ شیخ موصوف علاماتِ ترقیم کا حد درجہ اہتمام کرتے اور انہیں ''علاماتِ تفہیم'' کا نام دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے: ''إن صحّةَ وضعِها وسلامةَ استخدامها هي نصفُ التحقيق'' (علاماتِ ترقیم کے درست استعمال سے تحقیق کا آدھا کام ہوجاتا ہے)۔

⑫ تحقیق کے مآخذ لکھتے ہوئے بھی الفاظ کے انتخاب میں دقت رسی کا مظاہرہ کرتے ہیں، مثلاً: کسی متعین کتاب کے کسی ایڈیشن کا ذکر کرنا ہو، لیکن اس کی تحقیق شیخ کو پسند نہ ہو تو یوں نہیں لکھتے: ''حقّقهٗ فلانٌ'' (فلاں نے اس کی تحقیق کی ہے)، بلکہ یوں لکھتے ہیں: ''طبعةُ فلانٍ'' (فلاں کا ایڈیشن)۔

⑬ کتاب کے آخر میں علمی فہرستیں مرتب کرنے کا بہت اہتمام کرتے اور ان میں تنوّع کو پسند کرتے ہیں، تاکہ محقق کو سہولت ہو اور اسے اپنے مقصود تک جلد رسائی ہو۔

⑭ کچھ کتابیں، شیخ کے پہلو میں دَھری رہتی ہیں، اور تالیفی یا تحقیقی عمل کے دوران ان سے جدا نہیں ہوتیں، مثلاً: کتبِ لغت، ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ کی ''النهاية'' اور راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کی ''المفردات''

⑮ شیخ موصوف اپنی ہر تحریر میں بیک وقت عقل اور روح دونوں سے مخاطب ہوتے ہیں، اس بنا پر عقل ان کی آواز پر لبیک کہتی، دل ان سے مانوس ہوتا اور روح اُن کی فرمان بردار ہوجاتی ہے۔

تالیف میں علمی منہج

تالیف کے تعلق سے شیخ موصوف کے منہج کو درج ذیل نکات سے سمجھا جاسکتا ہے:

❶- لکھنے کے لیے ایسے موضوع کا انتخاب کرتے ہیں، جس کے متعلق لکھنے کی حاجت وضرورت محسوس ہو، خواہ علمی واختصاصی موضوع ہو، جیسے: ''حجّيّةُ أفعالِ النبيِّ صلى الله عليه وسلّم''، اور ''دراسةٌ حديثيةٌ مقارنةٌ لنصب الراية وفتح القدير ومُنية الألمعي''۔ یا فکری موضوع ہو، مثلاً: ''أثر الحديث الشريف''، اور ''أدب الاختلاف'' یا اصلاحی وتربیتی موضوع ہو، جیسے:

’’معالم إرشادية لصِناعة طالب العلم‘‘، یا عوام کے لیے تہذیبی موضوع، مثلاً: ’’شرحُ الأحاديثِ القدسية‘‘.

❷- موضوع کے تعلق سے مآخذ ومراجع اور ایسی کتابیں جمع کر لیتے ہیں، جن میں اس موضوع سے متعلق مواد ملنے کا گمان ہو۔ وسعتِ مطالعہ کی بنا پر ان کی تحقیقات میں ایسی کتابوں کا مواد بھی ملتا ہے، جن میں متعلقہ موضوع سے متعلق مواد کا گمان نہیں ہوتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ شیخ موصوف اپنے معمول کے مطالعہ کے دوران حاصل شدہ فوائد بھی مختلف رقعوں یا کتاب کی ابتدا میں خالی صفحات پر تحریر کر لیتے ہیں، یوں بوقتِ ضرورت ان تک رسائی آسان ہو جاتی ہے۔

❸- کسی موضوع پر لکھنے سے قبل اس موضوع کا ممکنہ حد تک بالاستیعاب مطالعہ کرتے ہیں، اور اس سے متعلق جمع کیے گئے مآخذ ومراجع کا بھی استیعاب کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں، حافظے میں موجود سابقہ مطالعہ مزید براں، یوں اس موضوع کے تمام پہلوؤں کا احاطہ ہو جاتا ہے۔

❹- شیخ کی عادت ہے کہ تحریر کے آغاز سے قبل اس کا خاکہ تیار کرتے ہیں، اس کے اصولی وفروعی مباحث اور مقدمات ومسائل کو متعین کر لیتے ہیں، اور منطقی ترتیب کے مطابق تحریر کی خاکہ سازی کر لیتے ہیں؛ تاکہ تحریر کے تمام پہلوؤں کا احاطہ آسان ہو اور وہ تمام متعلقہ موضوعات پر مشتمل ہو۔

❺- آیاتِ کریمہ اور احادیثِ نبویہ سے بکثرت استدلال کرتے ہیں؛ کیونکہ یہی دو مآخذ تمام مراجع کی اساس اور جملہ منقولی دلائل کی بنیاد ہیں۔ مزید براں ان کا استدلال حسن وخوبی سے آراستہ، سلامتیِ فہم کا پیکر اور عمدہ اسلوبِ بیان کا نمونہ ہوتا ہے۔

❻- قاری کو اپنے عہد کے ساتھ جوڑتے ہیں، اس غرض سے خود اپنی ذات یا اپنے اساتذہ پر گزرے ایسے حقیقی واقعات بکثرت ذکر کرتے ہیں، جن کا زیرِ بحث موضوع سے گہرا تعلق ہو؛ تاکہ تحریر زیادہ مفید ثابت ہو اور روح کے ساتھ اس کا تعلق، مسرت انگیز ہو۔

تحقیقِ مخطوطات کا علمی منہج

تحقیق وتدقیق کے میدان میں شیخ حفظہ اللہ کا منہج نہایت دشوار ہے، ان کی راہ پر وہی گامزن ہوسکتا ہے جو وسعتِ علم، گہرے غور وتدبر، اور صبر وہمت جیسے بلند اوصاف کا حامل ہو، جس کا صبر اس کے علم سے بڑھا ہوا ہو، اور جہدِ مسلسل اس کی اکتاہٹ کو دور کر دے۔ شیخ موصوف نے امہاتِ کتب کی تحقیق وتعلیق کا کام کیا ہے اور ان کی تحقیقات، شہرہ آفاق ہیں، کیونکہ انہوں نے تحقیق کے کڑوے گھونٹ اور مراجعت وتدقیق کی مٹھاس پر صبر وتحمل سے کام لیا ہے۔ چند روز تک ان کی زندگی کا مشاہدہ کیا جائے تو وہ

کسی قول کی تحقیق یا کسی عبارت کی تدقیق کرتے نظر آئیں گے، یا پھر مآخذ ومراجع کی مراجعت کرتے اور انہیں اُلٹتے پلٹتے دکھائی دیں گے۔ ان کے متعلق علامہ محمد سعید طنطاوی حفظہ اللہ کا مقولہ مشہور ہے: ''لا أعلمُ على وجه الأرض أعلمَ منه في علم التحقيق'' (میری نگاہ میں روئے زمین پر علمِ تحقیق کا ان سے بڑا عالم کوئی نہیں)۔

فنِ تحقیقِ مخطوطات کے تئیں شیخ حفظہ اللہ کے علمی منہج سے متعلق کچھ نکات تو ان کے عمومی منہج کے ضمن میں گزر چکے، مزید چند امور ذیل میں ملاحظہ فرمایئے:

① شیخ موصوف جس کتاب کی تحقیق کا عزم کرلیں تو ان کی پہلی کوشش ہوتی ہے کہ خود مؤلف کا نسخہ (خاص طور پر مؤلف کی حیاتِ مستعار کا آخری نسخہ) انہیں حاصل ہوجائے، چنانچہ اس کے لیے خوب کھود کرید، پوچھ گچھ، اور تلاش وجستجو کرتے ہیں، اگر مؤلف کا نسخہ دریافت ہوجائے تو وہی ان کی مطلوبہ آرزو ہوتی ہے، اس حوالے سے کئی تحقیقات میں اللہ تعالیٰ نے ان پر کرم فرمایا، چنانچہ ''تقریب التهذيب''، ''الكاشف''، ''مجالس ابن ناصر الدين'' اور ''القول البديع'' کی تحقیق میں انہیں ان کتابوں کے مؤلفین کے نسخے حاصل ہوئے۔ ڈاکٹر محی الدین محمد عوامہ حفظہ اللہ کا کہنا ہے:

''والدِ محترم کو مؤلف کے جس نسخے کی حرص ہوتی ہے، اور جس پر وہ اعتماد کرتے ہیں، اس سے مراد وہ نسخہ ہے جو مؤلف کی دسترس میں رہا ہو، مؤلف نے اس میں کمی بیشی اور تہذیب وتصحیح کی ہو، اسے اپنے شاگردوں کے سامنے پڑھا ہو اور شاگردوں نے بھی مؤلف کے سامنے اس نسخے کو پڑھا ہو، ایسے نسخے کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔''

اس نوعیت کے نسخے کے حصول کا بنیادی مقصد تو واضح ہے، لیکن اس میں ایک اور علمی پہلو یہ ہے کہ مؤلف نے کبھی اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں کتاب تالیف کی ہوتی ہے، اس وقت انہیں علم اور حفظ میں امامت کا درجہ حاصل نہیں ہوتا، ان کے احکام وآراء اور ترجیحات کو بھی حجت کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر یہ نسخہ ان کی دسترس میں رہا ہو اور اس پر مؤلف کی تنقیح وتہذیب کے آثار نمایاں ہوں تو یہ کتاب میں درج آراء پر ان کے علمی استقرار کی دلیل ہوگی، ورنہ یہ احتمال رہے گا کہ ممکن ہے بعد میں ان کی ترجیح بدل گئی ہو۔ اہلِ علم کے احوالِ واقعی میں تو یہ پہلو معروف ہے ہی، خود ہمارے گردوپیش کے اعتبار سے بھی ایک واضح حقیقت ہے۔ شیخ موصوف دیکھتے ہیں کہ بہت سے محققین جس کتاب کی تحقیق رکھتے ہوں، اس کے مؤلف کا نسخہ حاصل کرنے کی تگ ودو کرتے ہیں، لیکن شیخ اس اہتمام کے ساتھ اپنے متعلقین کو مذکورہ علمی وفنی امور کی جانب بھی متوجہ کرتے رہتے ہیں۔

② اگر مؤلف کا نسخہ حاصل نہ ہو تو اس کے فروعات میں سے کوئی نسخہ تلاشتے ہیں، یعنی ایسا نسخہ جو

مؤلف کے نسخے سے نقل کیا گیا ہو، یا مؤلف کے نسخے سے اس کا تقابل کیا گیا ہو۔ اگر چہ یہ نسخہ مؤلف کے نسخے کے قائم مقام نہیں ہوسکتا، لیکن تحقیق کے دوران اس سے کافی حد تک اطمینان حاصل ہوگا۔

③ اگر مؤلف کا نسخہ یا اس کا کوئی فرعی نسخہ بھی حاصل نہ ہو تو کوئی ایسا نسخہ تلاش کرتے ہیں جو ائمہ کرام میں سے کسی امام کے سامنے رہا ہو؛ کیونکہ عام طور پر ایسا نسخہ، حواشی اور سماعات (اس نسخے کی قراءت وسماع کی تاریخوں ودیگر تفصیلات) سے مزیّن اور تصحیح شدہ ہوتا ہے، اس بنا پر ایسا نسخہ اصل (نسخۂ مؤلف) یا اس کی فرع کے قائم مقام ہوکر اعتماد کے لائق ہوجاتا ہے۔

④ اگر مؤلف کا نسخہ حاصل ہو تو شیخ اسی کو اصل قرار دیتے ہیں، اگر وہ حاصل نہ ہو پائے تو اس کی فرع کو اصل شمار کرتے ہیں، اور اگر اصل وفرع دونوں دریافت نہ ہوں تو کسی امام کے نسخے کو ہی اصل ٹھہراتے ہیں، ورنہ تمام نسخوں کو یکساں درجہ دیتے ہیں۔

⑤ شیخ موصوف، اصل نسخہ پر پورا اعتماد کرتے ہیں، کتاب کے متن میں اسے مکمل لکھتے ہیں، اگر چہ اس کی عبارت میں کوئی غلطی ہی کیوں نہ ہو، ہاں اگر کاتب کی سبقتِ قلم کا نتیجہ محسوس ہو تو اسے نہیں لکھتے، پھر حاشیہ میں نسخوں کی دیگر تبدیلیوں یا درست لفظ یا عبارت کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی معتمد اصل دریافت نہ ہو تو تمام نسخوں کو پیشِ نظر رکھ کر کتاب کی عبارت کو درست کرتے ہیں، اور حواشی میں اشارہ کرتے جاتے ہیں، اور اگر تمام نسخے کسی بظاہر نادرست لفظ پر متفق ہوں اور ان کی غلطی واضح ہو تو شیخ درست لفظ کو متن میں لکھتے ہیں اور حاشیہ میں اس کی جانب تنبیہ کردیتے ہیں۔

⑥ خطی نسخوں کے حواشی میں لکھی گئی تمام عبارتوں کو بھی کتاب میں درج کرتے ہیں، اور قاری کی سہولت کی خاطر انہیں ضائع نہیں کرتے؛ تاکہ قاری ائمہ اہلِ علم کے افادات سے محروم نہ رہے، بلکہ جو محققین ان فوائد کو اپنی تحقیق میں درج نہیں کرتے، شیخ ان پر شدید تنقید کرتے اور ان کی اس حرکت پر ناراضی کا اظہار کرتے ہیں۔

⑦ جن خطی نسخوں پر اعتماد کرتے یا جن کی مراجعت کرتے ہیں، کتاب کے ''مقدمة التحقيق'' میں دقت رسی سے ان کے اوصاف وبیانات قلم بند کرتے ہیں، تاکہ قاری کے سامنے ان کی واضح صورت آئے، اس تفصیل سے ان مخطوطات کا درجہ واضح ہوتا اور ان پر اعتماد کی حد متعین ہوتی ہے۔

⑧ خطی نسخوں کے تقابل میں نہایت باریک بینی کا مظاہرہ کرتے ہیں، اپنی تمام کتابوں میں بھی اپنے بجائے کسی اور کے تقابل کو پسند نہیں کرتے، کسی لفظ کا بلا تقابل رہ جانا بھی پسند نہیں، بذاتِ خود موجود رہتے ہیں اور اپنی نگاہوں میں اس کی نگرانی کرتے ہیں۔

⑨ نسخوں کی بہت سی تبدیلیوں کی جانب حواشی میں اشارہ کرتے ہیں، البتہ کسی تبدیلی کے تذکرہ کا کوئی فائدہ نہ ہو تو اسے ترک کر دیتے ہیں، اور ان کے ذکر سے کتاب کے حواشی کو گراں بار نہیں کرتے۔

⑩ کتاب کی ابتدا کو انتہا کے ساتھ اور انتہا کو ابتدا کے ساتھ مربوط کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، اگر کوئی مفہوم، بحث، فائدہ، یا عنوان مکرر ہو تو اس کا حوالہ دے کر دونوں کے درمیان مطابقت بیان کرتے ہیں، یوں ان کی تحقیق کردہ کتاب سونے کی اینٹ کی مانند باہم جڑی ہوئی اور مضبوط بنیادوں پر کھڑی دکھائی دیتی ہے۔

⑪ کتاب میں درج احادیث کی تخریج کا اسلوب، کتاب کے مزاج وحال، اور اس کی ترتیب وموضوع کے مناسب ہوتا ہے، ہر کتاب کی تخریجِ حدیث مفصل نہیں ہوتی، نہ ہر کتاب کی تخریج مختصر ہوتی ہے، نہ ہر کتاب میں حدیث کا درجہ بیان کرتے ہیں، اور نہ ہر کتاب میں حدیث کا حکم ذکر کرتے ہیں، جبکہ وہ موضوع نہ ہو۔ بلاشبہ تخریج ذوقی عمل ہے، اور ہر کتاب کے ساتھ اس کے مناسب تعامل بھی ایک فن ہے۔

⑫ شیخ موصوف کی مستحکم ومضبوط علمی شخصیت ان کی تحقیقات وتعلیقات میں واضح طور پر جھلکتی ہے، بہت سے مدّعیانِ تحقیق کی مانند وہ نسخوں کے مفید وغیر مفید تغیّرات کو حواشی میں نقل نہیں کرتے، وہ اپنی تحقیقات میں مؤلف کے شریکِ کار عالم کی حیثیت سے دکھائی دیتے ہیں، جو مؤلف کے علم ورائے، لغت وفقہ، اصول وحدیث، اور عقیدہ وغیرہ میں ان کے ساتھ شریک ہوتا ہے، کبھی مؤلف کا موافق ومؤید نظر آتا ہے، کبھی اس سے بحث ومباحثہ کرتا دکھائی دیتا ہے، اور کبھی اس پر تنقید اور استدراک کرتا ہے۔

⑬ شیخ کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ قاری کو کتاب کے سابقہ تمام طبعات سے مستغنی کر دیں، وہ پچھلے محققین کی خوبیوں کا احاطہ کرنے کی تگ ودو کرتے ہیں، اور اپنی جانب سے ان میں اضافہ بھی کرتے ہیں، اس لیے ان کا تحقیق کردہ نسخہ نفیس اور کامل ہوتا ہے، اور اس نسخے کے دسترس میں ہوتے قاری کو کسی اور نسخے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

اختتامیہ

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ، عالمِ اسلام کے نامور محقق اور دورِ حاضر میں امتِ مسلمہ کی آبرو ہیں، ان کے تحقیقی وتالیفی منہج میں طلبۂ علم واہلِ علم کے لیے رہبری کا وافر سامان ہے، خصوصاً علومِ حدیث کا کوئی طالب علم شیخ موصوف کے علمی سرمائے سے مستغنی نہیں رہ سکتا، طلبۂ علم اور متخصصینِ علومِ حدیث کو شیخ کی کتابوں کو حرزِ جاں بنانا چاہیے اور ان کی تحقیقات وتالیفات سے دقتِ نظر کے ساتھ استفادہ کرنا چاہیے، اور اپنی تحقیقی وتالیفی کاوشوں میں شیخ حفظہ اللہ کے منہج کو اپنانا چاہیے۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

مولانا سفیان علی فاروقی
لاہور

اہمیت - آداب - تقاضے

آج کل ہم سب کا دعویٰ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اتنا سچا عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ اس سے بڑھ کر اور اس سے زیادہ عاشقِ رسول دنیا میں کوئی بھی نہیں، لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہماری زندگی کا ۸۰ فیصد حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور احکامات کی پیروی سے یکسر خالی ہے (اور یہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انوکھی قسم ہے)۔ ہم عاشقِ رسولؐ ہیں، لیکن ہم نے پنج وقتہ نماز نہیں پڑھنی۔ ہم عاشقِ رسولؐ ہیں، لیکن ہم نے اپنی شادیاں ہندوانہ رسم ورواج اور انگریزوں کی پیروی کرتے ہوئے کرنی ہیں۔ ہم عاشق رسولؐ ہیں، لیکن ہمارے غمگین لمحات اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی پر گزرتے ہیں۔ ہم عاشقِ رسولؐ ہیں، لیکن ہماری معاشرتی زندگی سیرۃ النبیؐ سے کوسوں دور ہے۔ ہم عاشقِ رسولؐ ہیں، لیکن ہمارا کاروبار احکاماتِ نبوی سے یکسر مختلف ہے۔ ہم عاشقِ رسولؐ ہیں، لیکن ہمارے بچوں کا آئیڈیل انگریز ہے۔ ہم عاشقِ رسولؐ ہیں، لیکن زندگی یورپ کی جینا چاہتے ہیں۔ ہم عاشقِ رسولؐ ہیں، لیکن والدین، بہن بھائیوں، عزیز واقارب کے حقوق کے معاملے میں نبوی احکامات کے بالکل خلاف چل رہے ہیں۔ ہم عاشق رسولؐ ہیں، لیکن ہماری عملی زندگی میں سیرت کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی۔ سو عشق کا دعویٰ کرنا اور سچا عاشق بننا دو بالکل مختلف چیزیں ہیں اور حقیقتاً ہم عشق کے دعویدار تو ہیں، لیکن سچے عاشق نہیں ہیں۔

عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اہمیت

ایک مسلمان اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک اس کا عشقِ رسولؐ کامل نہ ہو، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ہر ادا، ہر ہر قول اور ہر ہر عمل سے سچا عشق نہ ہو، زندگی کے ہر معاملے میں سب سے پہلے نبوی طرزِ عمل کو ڈھونڈے، جی جان سے اس پر عمل کی کوشش کرے، احکاماتِ نبوی کے مطابق زندگی کے شب وروز

گزارنے کی جدوجہد کرے، اپنے معاملات، معاشرت، لین دین، خوشی وغمی ہر چیز احکاماتِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے تابع کردے، یہی ہر مسلمان سے تقاضا ہے، یہی اس کی زندگی کا منہج ومقصد ہے، اسی چیز پر زندگی گزارنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ قرآن پاک میں ارشادِ ربانی ہے کہ:

''وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا'' (سورۃ الاحزاب)

''کسی مؤمن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی معاملے کا فیصلہ کردیں تو ان کے اپنے معاملے میں اختیار باقی رہ جائے اور جو کوئی اللہ ورسولؐ کی نافرمانی کرے، وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔''

سورۃ الحشر، آیت نمبر: ۷ میں ارشادِ الٰہی ہے:

''وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ''

''جو کچھ رسول تمہیں دیں، وہ لے لو اور جس چیز سے تمہیں روک دیں، اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈر جاؤ، وہ شدید عذاب دینے والا ہے۔'' (الحشر: ۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ.'' (مشکوۃ)

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنی خواہشات کو میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ کردے۔''

عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آداب

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

وہ عشق ہی کیا جس میں ادب آداب کا لحاظ نہ ہو، چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں ایک مشہور واقعہ درج ہے: بادشاہ ناصر الدین محمود کے ایک خاص مصاحب کا نام محمد تھا، بادشاہ اس کو اسی نام سے پکارا کرتا تھا، ایک دن خلافِ معمول اسے ''تاج الدین'' کہہ کر آواز دی، وہ تعمیلِ حکم میں حاضر تو ہوگیا، لیکن بعد میں گھر جاکر تین دن تک نہیں آیا، بادشاہ نے بلاوا بھیجا، تین روز تک غائب رہنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا: آپ ہمیشہ مجھے ''محمد'' کے نام سے پکارا کرتے تھے، لیکن اس دن آپ نے ''تاج الدین'' کہہ کر پکارا، میں سمجھا میرے متعلق آپ کے دل میں کوئی خلش پیدا ہوگئی ہے، اس لیے تین دن تک حاضرِ خدمت نہیں ہوا، ناصر الدین نے کہا: ''واللہ! میرے دل میں آپ کے متعلق کسی قسم کی کوئی خلش نہیں، تاج الدین کے نام سے تو میں نے اس لیے پکارا تھا کہ اس دن میرا وضو نہیں تھا اور مجھے ''محمد'' کا مقدس نام بغیر وضو کے لینا مناسب معلوم نہیں ہوا۔''

اسی طرح ہمارے محدثین کا الحمدللہ معمول رہا ہے کہ جب بھی کوئی حدیث نقل کرنے لگتے ہیں تو باقاعدہ اہتمام کے ساتھ آداب کے ساتھ باوضو ہو کر حدیث کو نقل کرتے ہیں، ہم نے اپنے بڑوں کو دیکھا ہے کہ وہ کسی ایسی بات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کرتے جس کے متعلق انہیں علم نہ ہو کہ واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی فرمائی ہے، کیونکہ کوئی بھی ایسی بات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا انتہا درجے کی بے ادبی ہے، یہ بھی انتہا درجے کی بے ادبی ہے کہ کسی ایسے شخص کو گستاخِ رسول قرار دینا جس نے گستاخی نہ کی ہو۔ یہ بھی انتہا درجے کی بے ادبی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آئے اور ہم درود وسلام نہ پڑھیں، یہ بھی بے ادبی ہے کہ ایک معاملے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل موجود ہو اور ہم اس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا طرزِ عمل اختیار کریں۔ ادب یہ ہے کہ اپنی سوچ، فکر، فہم، رسم ورواج سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے تابع کر لیں، ساری محبتیں اس ایک محبت پر قربان کر دیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دنیا کی تمام چیزوں کی محبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر قربان کر دیا تھا، آپؐ کی محبت میں ماں باپ، بہن بھائی، رشتہ دار قربان کر دیے، غرضیکہ سب کچھ قربان کر دیا، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو نہ چھوڑا۔ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ حالتِ کفر میں اپنی بیٹی کو ملنے کے لیے آتے ہیں اور کملی والےؐ کے مقدس بستر پر بیٹھنے کی کوشش کرتے ہیں تو بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا یکدم بولتی ہے: ''ابا جان! ذرا ٹھہریئے'' باپ رُک گیا۔ بیٹی کیا بات ہے؟ بیٹی نے جلدی سے بستر لپیٹ دیا، سیدنا ابوسفیانؓ بولے: کیا یہ بستر میری شان کے لائق نہیں؟ یا میں اس بستر پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہوں؟ بیٹی نے کہا: یہ ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک بستر ہے اور آپ اس وقت ناپاک ہیں۔'' ذرا اندازہ لگایئے کہ سیّدہ ام حبیبہؓ نے اپنے باپ کی ذرا پرواہ نہیں کی اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے باپ کو بھی رد کر دیا۔

عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تقاضے

عاشق کے وجود کا ظاہری حلیہ اور اس کے اعمال میں جھلکتا باطنی عشق اس کے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہو، اسے اپنے عشق کے اظہار کے لیے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے نعرے نہ لگانے پڑیں، بلکہ اس کے اعمال چیخ چیخ کر دنیا کو بتا دیں کہ یہ ہے سچا عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ صحابہ کرامؓ نے یہی کیا تھا، آیئے! ان کے عشق کی چند جھلکیاں دیکھتے ہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عشق کی چند جھلکیاں

۱- موسیٰ بن عقبہؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سالم بن عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ دورانِ سفر راستے میں بعض مقامات تلاش کرتے تھے اور وہاں نماز پڑھتے تھے، کیونکہ انہوں نے اپنے والد عبداللہؓ کو اور انہوں

نے اپنے والد عمرؓ کو وہاں نماز پڑھتے دیکھا تھا اور حضرت عمر وہاں اس لیے نماز پڑھتے تھے کہ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ (بخاری: ۴۸۳)

۲- حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سواری پر سوار ہوئے تو دعائے مسنون پڑھنے کے بعد مسکرانے لگے۔ کسی نے پوچھا: امیر المومنین! مسکرانے کی کیا وجہ ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر سوار ہو کر اسی طرح دعا پڑھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے تھے، لہٰذا میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں مسکرایا ہوں۔ (ابوداود؛ ۲۶۰۲)

۳- حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو پسند ہیں، تو وہ بھی کدو پسند کرنے لگے۔ (مسند احمد: ۳/ ۱۷۷)

۴- ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکہ کے بارے میں فرمایا کہ: سرکہ تو اچھا سالن ہے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تب سے مجھے سرکے سے محبت ہوگئی ہے۔ (دارمی: ۲۱۸۱)

۵- ایک بار ایک صحابیؓ کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ سے اُتار کر دور پھینک دی، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہارِ ناراضگی کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے پر کسی نے کہا کہ اس کو اُٹھالو اور بیچ کر فائدہ حاصل کرلو (کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف پہننے سے منع فرمایا تھا) مگر اس نے کہا: خدا کی قسم! میں اسے کبھی نہیں اٹھاؤں گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پھینک دیا ہے۔ (مسلم: ۲۰۹۰)

۶- کچھ صحابہؓ کو بیعت کی شرائط میں یہ نصیحت بھی فرمائی کہ: ''لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرنا۔'' تو انہوں نے اس شدت سے اس کی پابندی کی کہ اگر اونٹنی پر سوار کہیں جا رہے ہوتے اور ہاتھ سے لگام گر جاتی تو اونٹنی کو بٹھا کر خود اپنے ہاتھ سے اس کو اٹھاتے تھے اور کسی آنے جانے والے سے نہیں کہتے تھے کہ اٹھا کر دے دو۔ (مسند احمد: ۵/ ۲۷۷)

۷- سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مرادِ رسول سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے پوچھتے ہیں: ''اے عمرؓ! تم میرے ساتھ کتنا عشق و پیار کرتے ہو؟'' فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا: ''اپنے ماں باپ سے، اپنی اولاد سے، اپنے رشتہ داروں سے، اپنے دوستوں سے، بلکہ کل کائنات سے زیادہ آپ سے عشق رکھتا ہوں اور عزیز سمجھتا ہوں بجز اپنی جان کے۔'' کملی والے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عمرؓ! اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے اس وقت تک کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ سمجھے۔'' فاروقِ اعظمؓ نے کہا: ''اب آپؐ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز و محبوب ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عمرؓ! اب تو مومن ہے۔

صحابہ کرامؓ کا معاملہ بھی عجیب تھا، ان کی محبت کا دارومدار بس عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا، اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم

پر ایمان نہیں لایا تو پھر خونی رشتے بھی بے معنی تھے اور اگر کوئی ایمان لایا اور خونی رشتہ نہیں بھی تھا تو اپنی جان سے زیادہ عزیز تھا۔ واقعی تاریخ انسانیت میں ایسا انقلاب نہ پہلے آیا اور نہ کبھی آئے گا۔

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن ابی منافق نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق کہا: ''لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ '' یہ بات ابن ابی کے فرزند ارجمند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے کان میں پہنچ گئی، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تلوار لے کر مدینہ شریف کے مین گیٹ پر کھڑے ہوگئے، لوگ گزرتے گئے، جب باپ آیا تو کہنے لگا: پیچھے ہٹ جاؤ، تمہیں مدینہ میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا، جب تک رسول اللہ ﷺ تیرے لیے کوئی فیصلہ صادر نہیں فرمادیں، چنانچہ رحمت کائنات تشریف لائے تو حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: جب تک یہ اپنے لفظ واپس نہیں لے گا، اس کو گزرنے نہیں دوں گا۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں اپنے والد کو کافروں کی حمایت میں مسلمانوں کے مقابلہ میں آنے کی وجہ سے قتل کردیا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کردیا۔

حضرت عمرؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبیدہ بن حارثؓ نے اپنے قریبی رشتہ داروں عتبہ، شیبہ، ولید وغیرہ کو قتل کیا۔ غرضیکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں اپنے ماں، باپ، بہن، بھائی، عزیز واقارب سب کو قربان کردیا، اسی لیے ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

> ترجمہ: ''جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں، آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہوں جو اللہ اور رسول کے برخلاف ہیں، چاہے وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو، ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کردیا ہے۔'' (المجادلہ، آیت:۲۲)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنا سب کچھ نبی کریم ﷺ پر لٹادیا تو پھر اللہ پاک نے بھی اپنی تمام نعمتوں کے دروازے ان پر کھول دیئے، ان کے قدموں میں سلطنتیں تسبیح کے دانوں کی طرح گریں، دنیا کے خزانے مدینہ کی گلیوں بکھرنے لگے، دنیا کی قیادت وسعادت ان پر فخر کرنے لگی، ان کے احکامات چرند، پرند، ابحار، اشجار سبھی نے مانے اور جب تک مسلمان نبی کریم ﷺ کے احکامات پر عمل پیرا رہے عشقِ رسول (ﷺ) کو حرزِ جاں بناتے رہے، اس وقت تک ساری دنیا ان کے در کی دریوزہ گر رہی اور جیسے ہی انہوں نے عشقِ رسول (ﷺ) سے منہ موڑا، اللہ پاک کی تمام نعمتوں نے مسلمانوں سے منہ موڑ لیا۔

اہلِ مدارس کے لیے لمحہ فکریہ

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی
لیکچرر کمپیوٹر سائنس ڈیپارٹمنٹ، (سی آئی ٹی) آئرلینڈ

(دوسری قسط)

کوشش نمبر: ۵: کچھ صاحبانِ علم کا کسی مسئلہ میں پارٹی یا فریق بننا

مدارسِ دینیہ کو ختم اور کمزور کرنے کی خفیہ کوششوں میں سے ایک کوشش یہ ہے کہ علمائے کرام اور مفتیانِ کرام کا مفاد ہی کسی مسئلہ سے وابستہ کردیا جائے، یعنی بعض مرتبہ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک کمپنی ہے اور اس نے کوئی پروڈکٹ یا سروس لانچ کی ہے اور اس کو شریعت کے دائرے میں لانا ہے اور اس صورت میں حضرات مفتیانِ کرام اس کمپنی کے شریعہ ایڈوائزری بورڈ کے ممبر بن جاتے ہیں۔ اب صورت حال یہ ہوتی ہے کہ بعض مرتبہ کچھ مفتیانِ کرام کو اس سائنسی موضوع کی گہری معلومات ہوتی نہیں ہیں اور کمپنی کے مالکان اُلٹی سیدھی معلومات مفتیانِ کرام کے سامنے رکھ کر اپنی کمپنی کی پروڈکٹ اور سروس سے متعلق جواز کا فتویٰ حاصل کرلیتے ہیں، الا ماشاء اللہ۔ اس کو ایک مثال سے سمجھتے ہیں: دیکھیے! اگر حاضر جج اگر خود ہی وکیل بھی بن جائے تو کیا اس کا اثر نہ ہوگا؟ یا کسی ایسے کیس کو دیکھیے جس کا تعلق اس کی ذات سے براہِ راست ہو تو کیس پر اس کا کیا اثر ہوگا؟ لہٰذا مفتیانِ کرام جب شریعہ ایڈوائزر بنتے ہیں تو بہت احتیاط اور ہمت کی ضرورت ہے۔ ہر کسی کے بس کی بات نہیں کہ وہ حضرات اکابرین کی طرح اصولوں پر سمجھوتہ ہونے کی صورت میں استعفیٰ دے دیں، لہٰذا اس سلسلے میں ہماری دو گزارشات ہیں: اول: یہ کہ تحقیق کے عنوان پر اور کمپنیوں کو اسلامی اصولوں کے تحت چلانے کے لیے مفتیانِ کرام کو پارٹی بننے سے بچایا جائے۔ دوم: یہ کہ اگر ایسا ہو کہ مفتیانِ کرام خود اس مسئلے میں پارٹی بن جائیں تو اکابرین مفتیانِ کرام یہ فرماتے ہیں کہ ایسے مفتیانِ کرام سے، جن کا مفاد خود اس مسئلہ سے وابستہ ہو، عوامی سطح پر مسئلہ پوچھنے اور رائے طلب کرنے سے بھی گریز کیا جائے۔ یہ بات سائنسی علمی دنیا میں بھی مدِ نظر رکھی جاتی ہے اور اسے

کانفلکٹ آف انٹرسٹ Conflict of Interest کہا جاتا ہے۔

ایک اور مثال سے اس مسئلہ کی سنگینی کو سمجھتے ہیں۔ فرض کریں کہ حکومتِ پاکستان نے ایک شریعہ کمیٹی بنائی جس کا کام یہ طے ہوا کہ اس نے پاکستان کے تمام ہوٹلوں کو اس بات کا پابند کرنا ہے کہ وہ شراب کی خرید وفروخت نہ کریں اور نہ ہی ان ہوٹلوں میں شراب صارفین کو دی جائے، جو کہ وہاں پر قیام وطعام کرتے ہیں، یعنی اس شریعہ کمیٹی کی ذمہ داری شریعہ کمپلائنس کرنا ٹھہری جس کے ذمہ اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ پاکستان کے تمام ہوٹلز مکمل طور پر شرعی قوانین کے ہم آہنگ ہوں یا آسان الفاظ میں شراب کی خرید وفروخت سے اجتناب کریں۔ اب اگر اس شریعہ کمیٹی کے چیرمین کسی شراب کی کمپنی میں شریعہ ایڈوائزی بورڈ کے بھی ممبر ہوں یا اُن کی ذاتی رائے یہ ہو کہ شراب کو کچھ شرائط کے ساتھ جائز ہونا چاہیے تو کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے؟ کیا ان کا اس کمپنی میں شریعہ بورڈ ممبر ہونا یا ان کی یہ ذاتی رائے رکھنا، اس شریعہ کمیٹی کی بنیادی ذمہ داری یعنی شریعہ کمپلائنس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنے گی؟ بادیٔ النَّظَر میں تو بہت ہی مشکل لگتا ہے کہ ایسے مفتیانِ کرام پارٹی بھی بنیں اور اُن کا پارٹی بننا ان کے شریعہ ایڈوائزی بورڈ کی ذمہ داریوں سے متصادم بھی نہ ہو، الا ماشاء اللہ۔

کوشش نمبر: ۶: مسائل کا متبادل حل دینے کی آڑ میں اپنے دائرہ کار سے نکلنا

مدارس کو کمزور کرنے کے سلسلے میں نوجوان علمائے کرام کی ایک ذہن سازی یہ کی جارہی ہے کہ مسائل کا متبادل حل دینا علمائے کرام کی لازمی ذمہ داری ہے۔ دیکھیے! اس میں تو دورائے نہیں کہ متبادل ہونا چاہیے اور بتانا بھی چاہیے اور بعض جید مفتیانِ کرام مسائل کا جواب دیتے وقت متبادل بھی بتا دیتے ہیں اور سائل کو نصیحت بھی فرما دیا کرتے ہیں اور ان حضرات میں ہمارے محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ، حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اور اس طرز کے دیگر اکابر قابلِ ذکر ہیں، مگر متبادل حل دینے کی آڑ میں ناجائز کو جائز تو قرار نہیں دیا جاسکتا۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ متبادل نصوص کے احکامات کے ذیل میں ہونا چاہیے، یعنی مثلاً شراب حرام ہے، زنا حرام ہے، سُود حرام ہے تو کیا مسلمان مفتیانِ کرام کے ذمہ فرض ہے کہ وہ زنا، شراب، اور سُود کا متبادل دیں؟ بھئی متبادل تو شریعت نے پہلے ہی سے بتا دیا ہے، مثلاً زنا کا متبادل نکاح ہے، شراب کا متبادل دودھ یا کسی پھل کا جوس ہے، اور سُود کا متبادل کاروبار ہے۔ مگر متبادل ڈھونڈتے وقت یہ کہنا کہ نہیں ہم نے ہر حال میں متبادل دینا ہے اور شریعت کے اصولوں کو بالائے طاق رکھنا ہے، کسی صورت بھی مناسب نہیں، مثلاً سُود کا متبادل دیتے وقت سُود ہی کی کسی نئی شکل کو جائز قرار دینا کسی صورت بھی قابلِ قبول نہ ہوگا۔ شراب کا متبادل دیتے وقت کسی نئی قسم کی شراب ہی کو جائز

قرار دے دینا کسی صورت قابلِ قبول نہ ہوگا۔ آپ ہی انصاف فرمایئے کہ کیا اس طرح کے متبادل قابلِ قبول ہوں گے؟ نہیں، ہرگز نہیں! لہٰذا متبادل کی تلاش میں مسلمان مفتیانِ کرام پر ہرگز یہ لازم نہیں کہ وہ زبردستی حرام اور ناجائز چیزوں کو جائز وحلال بتلائیں۔

اسی تناظر میں ذیل کا اقتباس بہت اہم ہے:

''بہرحال ہمارے ملک میں بڑی ضرورت ہے کہ فقہ اسلامی کی جدید تدوین کے ذریعہ جو قرآن وسنت اور حضرت حق جل ذکرہٗ اور حضرت رسول اللہ ﷺ کے منشا کے مطابق صالحین کے موروثہ اثاثہ کی روشنی میں کی جائے، جدید پیدا شدہ مسائل کا حل تلاش کر کے فیصلہ کر دینا چاہیے، تاکہ دینِ اسلام کا مضبوط اور حسین وجمیل قلعہ قیامت تک اعداء اور اغیار کے حملوں سے محفوظ رہے، مشکل سب سے بڑی یہ ہے کہ ہم یورپ کے جدید معاشی واقتصادی نظام اور معاشرتی نظام کو پہلے ہی اپنا لیتے ہیں اور پھر چاہتے ہیں کہ جوں کا توں یہ پورا نظام اسلام کے اندر فٹ ہوجائے، یہ کیسے ممکن ہے؟'' (دینی مدارس کی ضرورت اور جدید تقاضوں کے مطابق نصاب ونظامِ تعلیم، انتخاب از مقالات محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ، جمع وترتیب: مولانا محمد انور بدخشانی صاحب، صفحہ: ۱۴۲)

متبادل دینے کی آڑ میں بعض صاحبانِ علم خَلْطِ مَبْحَث کر چکے ہیں۔ دیکھیے! متبادل کی ایک بڑی وسیع تعریف ہوسکتی ہے۔ اگر شرعی تکییف کر کے یہ بتادیا جائے کہ سُود حرام ہے اور آپ سُود سے بچیں، تو یہ تو حکم بتانے کے زمرے میں آتا ہے۔ اگر یہ بتادیا جائے کہ آپ سُود کے بدلے تجارت کرلیں تو یہ متبادل دینا کہلائے گا، مگر اگر متبادل دینے سے مُراد مسائلِ جدیدہ میں یہ ہے کہ حضرات علمائے کرام اپنے دائرہ کار سے ہی باہر نکل کر کام کریں تو یہ ہرگز مناسب نہ ہوگا۔ اس کو ایک مثال سے سمجھتے ہیں، فرض کریں کہ ایک دوائی ہے جس کو بنانے میں خنزیر یعنی سور کے خلیے استعمال کیے گئے ہیں، اب اس کا حکم بتاتے وقت یہ کہا جائے کہ اس کو استعمال کرنا منع ہے تو یہ حکم بتانے کے زمرے میں آئے گا، جیسا کہ درج ذیل ہے:

''کسی بھی حرام چیز کو بطورِ دوا استعمال کرنا بھی حرام ہے، الا یہ کہ بیماری مہلک یا ناقابلِ برداشت ہو اور مسلمان ماہر دین دار طبیب یہ کہہ دے کہ اس بیماری کا علاج کسی بھی حلال چیز سے ممکن نہیں ہے اور یہ یقین ہوجائے کہ شفا حرام چیز میں ہی منحصر ہے، اور کوئی متبادل موجود نہیں ہے تو مجبوراً بطورِ دوا وعلاج بقدرِ ضرورت حرام اشیاء کے استعمال کی گنجائش ہوتی ہے، ورنہ نہیں۔'' (فتویٰ نمبر: 144110200078 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن)

پھر اس کا متبادل دے دیا جائے کہ آپ اس حرام اجزاء والی دوائی کے بجائے فلاں حلال اجزاء

والی دوائی استعمال کرلیجیے تو یہ بات بھی عقل میں آتی ہے، مگر یہ مفتیانِ کرام کا دائرہ کار نہیں کہ وہ ہر دوائی سے متعلق تحقیق کریں کہ فلاں دوائی کا متبادل کون کون سے ہیں۔ یہ سائل ہی کے ذمہ ہے کہ وہ حضرات مفتیانِ کرام سے پوچھ پوچھ کر مسلمان ماہر دین دار طبیب سے پوچھ کر متبادل تلاش کرے۔ مسئلہ تب شروع ہوتا ہے کہ جب نوجوان مفتیانِ کرام کی ذہن سازی کی جائے اور اُن کو اس بات کی ترغیب دی جائے کہ آپ خود تحقیق کیجیے اور جدید طبی علوم کو سیکھیے اور پھر سیکھ کر اس حرام اجزاء والی دوائی کا متبادل دیجیے، یعنی نوجوان مفتیانِ کرام بذاتِ خود ایم بی بی ایس MBBS کریں، پھر ایم ڈی M.D کریں اور پھر کلینیکل پریکٹس کریں اور طبی دواؤں پر لیبارٹری میں تحقیق کریں اور پھر حرام اجزاء والی دوائی کا متبادل دیں، یعنی مدارسِ دینیہ کے اندر طب کی تحقیق سے متعلق شعبے قائم ہوں جس کے اندر اس مسئلے پر تحقیق کی جائے اور اُمت کو نئی دوائی بنا کر اس حرام اجزاء والی دوائی کا متبادل پیش کیا جائے جو کہ امت کی ضرورت کا حل ہو۔ ہماری گزارش ہوگی کہ یہ مسلمان علمائے کرام اور مدارس کی قطعاً ذمہ داری نہیں کہ وہ اس طرح کی تحقیق کریں، بلکہ یہ تو ان کے دائرہ کار ہی میں نہیں آتا اور جو صاحبانِ علم اس طریقے کی ذہن سازی کررہے ہیں ان کو خَلْطِ مَبْحَث ہو چکا ہے۔ اس میں تو کوئی دو رائے نہیں کہ امتِ مسلمہ کو اس حرام اجزاء والی دوائی کا متبادل ملنا چاہیے، مگر یہ ذمہ داری کس کی ہے؟ اس کا تعیُّن ضروری ہے۔ سب سے پہلے تو یہ مسلمان حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کا اہتمام کرکے کہ مسلمانوں کے لیے حلال اجزاء والی دوائیاں ملک میں درآمد کرے اور عالمی دواساز کمپنیوں سے گفت وشنید کرے، تاکہ وہ عالمی دواساز کمپنیاں مسلمان ممالک میں حلال اجزاء والی دوائیاں ہی بھیجیں۔ اس کے لیے مسلمان ممالک او آئی سی کا فورم بھی متحرک کرسکتے ہیں، نیز ملک کے اندر حکومتی حلال کمیٹیوں کے ذریعے بھی اس کا حل نکالا جاسکتا ہے۔ اصولی طور پر تو مسلمان ممالک کو سائنس میں اتنی ترقی کرنی چاہیے کہ وہ خود ایسی دوائیاں ملک کے اندر تحقیق کے ذریعے بنائیں اور یہ مسلمان سائنسدانوں اور محققین کا کام ہے کہ وہ ایسی تحقیق کریں جس سے امت کی ضرورت کو پورا کیا جائے اور متبادل حل پیش کرنا مسلمان سائنسدانوں اور اس متعلقہ شعبے کے ماہرین کی ہی ذمہ داری ہے۔

ہمارے ملکِ عزیز میں اُلٹی گنگا بہہ رہی ہے، یعنی جو انجینئر، پروفیسر، محققین اور سائنسدان حضرات ہیں، بجائے اس کہ کہ وہ عالمی سائنسی تحقیق میں اپنا نام روشن کریں اور اپنے سائنسی شعبے میں مہارت حاصل کرکے پوری دنیا میں اپنا لوہا منوائیں اور امت کو درپیش جدید مسائل کا متبادل سائنسی حل پیش کریں، وہ اپنی ذمہ داریاں تو تندہی سے انجام نہیں دے رہے، بلکہ ان ہی میں سے بعض انجینئر، پروفیسر، محققین اور سائنسدان حضرات دینی مسائل میں اپنی رائے زنی شروع کردیتے ہیں، یعنی آپ کو

بہت سارے انجینئر، پروفیسر، محققین اور سائنسدان ایسے ملیں گے کہ جن کو اُن کے اپنے سائنسی شعبے میں تو مہارت حاصل نہیں اور وہ دینی مسائل میں عوامی سطح پر فتویٰ دینے شروع کر دیتے ہیں اور اپنے آپ کو دینی اتھارٹی گردا ننا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بالکل غلط روش ہے اور تاریخ امُتِ مسلمہ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ جو امُت میں گمراہی پھیلی وہ اسی روش سے پھیلی اور انہی لوگوں کی دینی کم علمی، کم فہمی اور تکبر سے امُت نے بڑے بڑے فتنے دیکھے۔

اُمتِ مسلمہ میں بعض استثنائی مثالیں ہیں جن میں بعض ڈاکٹر، محققین، انجینئر، اور سائنسدانوں ہی کو اللہ پاک نے اتنی مقبولیت نوازی کہ جنہوں نے پہلے علمائے کرام، مفتیانِ کرام اور مشائخ کی صحبت اٹھائی اور پھر انہیں خلافت بھی نصیب ہوئی اور پھر انہی حضرات سے اللہ پاک نے اتنا کام لیا کہ وقت کے بڑے بڑے علمائے کرام نے ان سے فیض حاصل کیا، مثلاً حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کہ کئی خلفاء دنیاوی شعبوں سے وابستہ تھے اور دینی اور دنیاوی شعبوں کا حسین امتزاج تھے، مگر ان مثالوں سے ہم عمومی طور پر یہ نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے اور نہ ہی کرنا چاہیے کہ دین کی تشریح انجینئر، پروفیسر، محققین اور سائنسدانوں کے ذمہ ہے اور نہ ہی عمومی سطح پر اس کا اطلاق کرنا چاہیے کہ ایسی پالیساں مرتب کی جائیں کہ آگے آنے والی نسلوں میں یہ استثنائی مثالیں عمومیت اختیار کر لیں۔

مستند مدارسِ دینیہ میں دارالافتاء میں جدید مسائل میں مختلف موضوعات پر ٹھوس تحقیق ہوتی ہے۔ ٹھوس تحقیق سے مراد یہ ہے کہ اس سائنسی موضوع کے ماہرین سے رجوع کیا جاتا ہے، سائنسی مسئلہ کی ماہیت پر غور کیا جاتا ہے، شرعی تکییف کی جاتی ہے اور پھر کافی غور وخوض اور تحقیق کے بعد اس مسئلہ پر شرعی حکم بتایا جاتا ہے۔ قرآنِ پاک کی تفسیر ہو یا شریعت کے احکامات بتانا، احادیث مبارکہ سے مسائل کا استنباط ہو یا مختلف احادیث کی تطبیق، عوام کو مسائل کا حکم شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے بتانا ہو یا دینی علوم میں غور وتدبر، یہ سب کام حضرات علمائے کرام کی ذمہ داریوں میں سے ہیں اور انہی پر جچتے ہیں کہ وہ اس موضوع کے ماہر ہیں۔

اب اس کے برعکس صورتِ حال پر غور فرمائیے۔ کچھ مدارسِ دینیہ میں بعض صاحبانِ علم یہ ذہن سازی کر رہے ہیں کہ آپ خود ہی اس سائنسی مضمون کے ماہر بن جائیں، خود ہی سائنسی موضوع پر تحقیق کریں، اس پر سائنسی مقالے چھاپیں اور پھر اس سائنسی موضوع پر شرعی حکم بتائیے۔ یہ سراسر غلط سوچ ہے اور غلط طریقہ کار ہے کہ فتویٰ کی بنیاد سائنسی موضوع کے ماہرین سے رجوع کیے بغیر ہی رکھی جائے۔ اور یہی وہ بنیادی وجہ ہے جس سے معاشرے میں جدید مسائل کے حوالے سے تشکیک پیدا ہو جاتی ہے اور

علمائے کرام کی رائے میں اختلاف کی بنیاد پڑتی ہے، کیونکہ ایسے علمائے کرام کی سائنسی بنیاد ہی مضبوط نہیں ہوتی، اور وہ سائنسی شعبے کے ماہر نہیں ہوتے اور اپنے تئیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بڑے سائنسدان اور محقق بن گئے ہیں اور انہوں نے ''مفتی'' کے ساتھ ''ڈاکٹر'' کا ٹائٹل بھی حاصل کرلیا ہے، لہٰذا اب وہ خود ہی سائنسدان، معاشی ماہر، اور محقق بن گئے ہیں۔ راقم نے خود کئی بڑے مستند مدارس اور جید مفتیانِ کرام کے عمل کا مشاہدہ کیا، یہ تمام حضرات الحمدللہ سائنسی شعبے کے ماہرین سے سائنسی مسئلہ کی تکنیکی ماہیت سمجھتے ہیں اور پھر جدید مسائل کا حل اُمت کو پیش کرتے ہیں۔ تو اس بات کا خلاصہ یہ ہوا کہ ہر ایک اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے کام کرے، یعنی جو ذمہ داریاں حضرات علمائے کرام اور مفتیانِ کرام کی ہیں وہ اُن پر کاربند رہیں اور جو سائنسدانوں، محققین، پروفیسر اور انجینئر حضرات کی ذمہ داریاں ہیں، وہ اُن ذمہ داریوں کو پوری تندہی کے ساتھ انجام دیں۔ اسی سے معاشرہ افراط وتفریط سے بچے گا اور ترقی کرے گا۔

کوشش نمبر: ۷- تحقیق کے عنوان سے جمہور علمائے کرام کی رائے سے ہٹنا

ایک خفیہ کوشش مدارس کو ختم اور کمزور کرنے کی یہ ہے کہ تحقیق کے عنوان سے مدارس کے اندر یہ رجحان پیدا کیا جائے کہ وہ جمہور علمائے کرام کی رائے سے ہٹ کر رائے اختیار کریں۔ اس طریقے سے کئی مفاسد جنم لیں گے، مثلاً امت میں افتراق پھیلنے کا خدشہ ہوگا، عوام کا جمہور علمائے کرام سے اعتماد مجروح ہونے کا خدشہ ہوگا، کیونکہ عوام تو جس میں خواہش پوری ہو اور مطلب براری ہو اسی چیز کو اختیار کرتے ہیں، اس لیے بڑے نامور جمہور مفتیانِ کرام کے فتویٰ کو چھوڑ کر ان کے مقابلے میں عوام ان حضرات کی انفرادی رائے کو لے کر عمل اختیار کریں گے۔ نیز جن مدارس میں جمہور علمائے کرام کی رائے سے ہٹ کر رائے قائم کی جائے گی تو اس پر لامحالہ فتویٰ دینے والے حضرات عمل بھی کریں گے اور نتیجتاً ان حضرات کا بھی مشکوک ومشتبہ معاملات میں پڑنے کا امکان ہوگا۔

ہم ہرگز یہ نہیں کہہ رہے کہ مدارس میں تحقیق کے حوالے سے جمود طاری کردیا جائے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھتے ہیں: دیکھیے! مدارس کے نصاب میں جب قرآنِ پاک کی تفسیر پڑھائی جاتی ہے تو شراب کی حلت وحرمت پر تفصیلی بحث کی جاتی ہے، پھر جب احادیثِ مبارکہ کی کتب طلبائے کرام پڑھتے ہیں تو احادیث کے ذیل میں بھی شراب سے متعلقہ مسائل کا ذکر ہوتا ہے، اور پھر جب تفصیلاً فقہ پڑھائی جاتی ہے تو قدوری اور ہدایہ میں شراب سے متعلق بے شمار مسائل پر بحث کی جاتی ہے اور گہرائی میں جاکر شراب سے متعلقہ مسائل کو سمجھا جاتا ہے، پھر تخصص میں تو یہ ابحاث اس حد تک آگے چلی جاتی ہیں کہ شراب سے متعلق آئندہ پیش آنے والے مسائل کا نہ صرف یہ کہ مکمل احاطہ کیا جاتا ہے، بلکہ شراب کی ماہیت سے لے کر

بالکل جدید مسائل میں بھی اُمت کی رہنمائی کی جاتی ہے، جیسے انقلابِ ماہیت یا استحالہ کے مسائل سے لے کر شراب کا دوائیوں میں استعمال، وغیرہ۔

مگر کبھی ایسا نہیں ہوا کہ العیاذ باللہ، مدارس تحقیق کے نام پر شراب کشید کرنے کے طریقہ کار ہی مدارس کے طلبائے کرام کو سکھانے لگ جائیں، تاکہ وہ اس عمل سے پیسے کمائیں، اگر ایسا ہونے لگ جائے تو آپ اس کو کس چیز سے تعبیر کریں گے؟ اگر مدارس میں شراب کی خرید وفروخت کے آن لائن طریقہ کار کو تحقیق کے نام پر علمائے کرام ومفتیانِ کرام کو سکھایا جائے تو اس کو کس چیز سے تعبیر کیا جائے گا؟ اگر کسی شراب بنانے والی کمپنی کی پروڈکٹس کی تشہیر ہی مدارس میں شروع کر دی جائے تو اس کو کس چیز سے تعبیر کیا جائے گا؟ اگر نئی ٹیکنالوجی کو مفتیانِ کرام کو متعارف کروانے کی آڑ میں (تاکہ مفتیانِ کرام مسئلہ کی ماہیت کو سمجھ کر اس کی فقہی تکییف کرسکیں) ایسے کورسز متعارف کروائے جائیں جن میں شراب کی خرید وفروخت اور اس کے ذریعے سے پیسہ کمانے کو نوجوان علمائے کرام کو سکھایا جائے تو اس کو کس چیز سے تعبیر کیا جائے گا؟ اگر ہزاروں نوجوان علمائے کرام کے لیے ٹیلی گرام، واٹس اپ اور فیس بک گروپ بنائے جائیں جن میں ان طلبائے کرام کو آن لائن شراب کی کمپنیوں میں سرمایہ کاری کر کے پیسہ بنانے کا طریقہ سکھایا جائے، تاکہ نوجوان علمائے کرام خود کفیل ہو جائیں اور اُن کو ہُنر آ جائے تو اس کو کس چیز سے تعبیر کیا جائے گا؟ یقیناً کوئی بھی دینی غیرت مند تحقیق کے نام پر مدارس میں شراب کی رتی برابر بھی تشہیر اور ترویج واشاعت، اور طلبائے کرام اور علمائے کرام کو شراب کی آن لائن خرید وفروخت سکھانے کی تائید نہیں کرے گا۔ تائید تو درکنار، ایسی کسی بھی حرکت کو بانگِ دُہل گھناؤنا عمل قرار دے کر اس سے بَراءت کا نہ صرف یہ کہ اظہار کیا جائے گا، بلکہ ایسے تمام اشخاص اور دینی اداروں کا مکمل طور پر بائیکاٹ بھی کیا جائے گا اور عوام میں شعور و آگاہی پیدا کی جائے گی کہ وہ تحقیق کے نام پر ایسی باتوں میں ہرگز نہ آئیں۔

نیز یہ دلائل بھی امت تسلیم نہیں کرے گی کہ چونکہ شراب کی ماہیت کے حوالے سے ہی علمائے کرام وسائنسدانوں میں اختلاف ہے، لہٰذا شراب کی خرید وفروخت کی پشت پناہی کی جائے۔ امتِ مسلمہ یہ دلیل بھی کبھی تسلیم نہیں کرے گی کہ چونکہ روز نت نئی شراب کی پروڈکٹس بازار میں آرہی ہیں اور چونکہ شراب کی ماہیت بعض حلقوں میں زیرِ بحث ہے، لہٰذا اس کو جائز قرار دیا جائے۔ یہ دلیل بھی کارگر ثابت نہ ہوگی کہ شراب کو سرکہ بنا کر پیش کیا جائے اور پھر اس کے جائز ہونے کو بیان کیا جائے۔ اگر کوئی اس طرح سے طریقۂ واردات کرنے کی کوشش کرے گا کہ علمائے کرام اور علمی حلقوں میں تو یہ کہے کہ ہم شراب کی نئی پروڈکٹس کی ماہیت پر قانونی، فقہی، اور عملی جہتوں پر غور کر رہے ہیں اور اس کے بالمقابل عوامی سطح پر انہی شراب کی

پروڈکٹس کی نہ صرف یہ کہ جواز کی تحریک چلائے، بلکہ پریس ریلیز کے ذریعے عوامی رائے ہموار کرے اور انگریزی وارد و فتویٰ جات و مضامین لکھے جس میں وہ شراب کی نئی پروڈکٹس کے جواز کا قائل ہو، اس کو بھی اُمتِ مسلمہ کبھی تسلیم نہیں کرے گی۔

دیکھیے! یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ کون سے مدرسے میں تحقیق کے عنوان سے شراب کو جائز قرار دیا گیا ہے؟ ہم سو فیصد متفق ہیں کہ ایسا ہونا بعید اَز وَہم وخیال ہے کہ مدارس میں ایسے کسی کام کے بارے میں کوئی ذی شعور شخص سوچے بھی! پھر غور فرمایئے کہ کیوں ہم یہ بات کررہے ہیں کہ مدارس کو کمزور کرنے کی خفیہ کوشش میں سے ایک یہ ہے کہ تحقیق کے عنوان سے جمہور علمائے کرام کی رائے سے ہٹایا جارہا ہے؟ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ بہت سارے ایسے مسائل ہیں جن میں قلیل تعداد میں مدارس کے اندر تحقیق کے عنوان سے ایسی رائے کو اختیار کیا گیا ہے جن کی سائنسی بنیاد کمزور یا غلط ہے اور جس کی وجہ سے مدارسِ دینیہ میں تقویٰ، اخلاص اور للّٰہیت پر اثر پڑے گا، یعنی اپنی غلط اور کمزور سائنسی تحقیق کی بنیاد کو نہ صرف یہ کہ صحیح سمجھا جارہا ہے، بلکہ اس پر اصرار کیا جارہا ہے اور جمہور علمائے کرام کی رائے سے ہٹ کر رائے اختیار کی جارہی ہے۔ غرض تحقیق کے عنوان سے کچھ ایسی صورت حال پیدا کی گئی ہے، بقول شاعر:

خِرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خِرد
جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

کچھ مدارس کے اندر تحقیق کے عنوان سے یوٹیوب پر اشتہارات سے متعلق یہ تأثر دیا گیا ہے کہ یوٹیوب استعمال کرنے والے کو اشتہارات کے دیکھنے نہ دیکھنے پر پورا کنٹرول ہے اور پھر اس کے ذیل میں یوٹیوب کی کمائی کو جائز قرار دیا گیا ہے، جبکہ مشاہدہ اور تحقیق سے یہ بات ثابت ہے اور کمپیوٹر سائنسدان بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ ویڈیو بنانے والے کو اس بات کا اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اپنی مرضی کا اشتہار چلانے پر یوٹیوب کو پابند کرے، لہٰذا مستند دارالافتاء سے یوٹیوب کے اشتہارات سے ہونے والی کمائی سے اجتناب کا کہا گیا ہے۔ پھر جب نوجوان علمائے کرام یوٹیوب کی اس مشتبہ کمائی میں لگیں گے تو اس کمائی کا ان نوجوان علمائے کرام کے تقویٰ اور للّٰہیت پر کیا اثر پڑے گا، اس کا آپ خود ہی اندازہ کرسکتے ہیں۔ اسی طریقے سے ٹیکنالوجی اور کمپیوٹر سائنس سے متعلق دیگر جدید مسائل میں بھی غلط سائنسی تحقیق کی بنیاد پر جمہور علمائے کرام کی رائے سے ہٹ کر رائے اختیار کی گئی ہے۔

(جاری ہے)

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

سفرِ آخرت کے تین مسافر!

محمد اعجاز مصطفیٰ

ڈاکٹر امجد علیؒ، سائیں عبدالصمد ہالیجویؒ، سعید احمد بن خواجہ خان محمدؒ

ڈاکٹر امجد علی رحمۃ اللہ علیہ

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل، حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی قدس سرہٗ کے شاگرد، مدرسہ ابن عباسؓ و مدرسہ عائشہ صدیقہؓ کے بانی و رئیس، تحریکی و تخلیقی بنیادوں پر عربی زبان کی ترویج و اشاعت کے مُوجد و داعی، نصف صدی سے زائد زندگی تبلیغی خدمات میں لگانے اور طبِ نبوی کو رواج دینے والے اور سنت طریقۂ علاج مثلاً حجامہ وغیرہ کے موجد، اپنے ادارہ میں حفظِ حدیث کو رواج دینے والے، حضرت مولانا ڈاکٹر امجد علی رحمۃ اللہ علیہ اس دنیائے رنگ و بو میں ۸۱ بہاریں گزار کر ۹ ؍صفر المظفر ۱۴۴۵ھ مطابق ۲۷ ؍اگست ۲۰۲۳ء بروز اتوار بعد نمازِ عشاء ہزاروں طلبہ، علماء اور متعلقین کو سوگوار چھوڑ کر سفرِ آخرت پر روانہ ہوگئے، إناللہ وإنا إلیہ راجعون، إن للہ ما أخذ ولہ ما أعطی وکل شيء عندہٗ بأجل مسمّٰی.

ڈاکٹر امجد علی صاحب کی پیدائش ۱۹۴۲ء میں ہوئی، آپ پاکستان کے سابق وزیر اعظم چوہدری محمد علی مرحوم کے صاحبزادے تھے، ابتدائی طبی تعلیم پاکستان میں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے برطانیہ اور امریکہ تشریف لے گئے۔ ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد سینئر فزیشن اور بعد میں بطور ڈین فیکلٹی آف میڈیسن کے طور پر کراچی کے معروف و مشہور لیاقت نیشنل ہسپتال میں برسوں خدمات انجام دیں۔ برطانیہ میں دورانِ تعلیم تبلیغی جماعت سے منسلک ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے ابتدائی عربی زبان اپنے والد چوہدری محمد علی سے سیکھنا شروع کی، بعد میں دینی علوم انفرادی طور پر اپنے وقت کے جید

محقق علماء سے حاصل کی، جن میں سرفہرست محدثِ زمانہ حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے سابق مہتمم مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ، اور جامعہ کے موجودہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد انور بدخشانی دامت برکاتہم، جامعہ یوسفیہ بنوریہ کے سابق شیخ الحدیث مولانا ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ سمیت دیگر شامل ہیں، بعد میں دورہ حدیث کا سال غالباً ۸۶ / ۱۹۸۵ء، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں مکمل کیا، جس میں مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی، مولانا محمد ادریس میرٹھی، امامِ اہلِ سنت مفتی احمد الرحمٰن، مولانا بدیع الزمان، مولانا سید مصباح اللہ شاہ، مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید رحمۃ اللہ علیہ جیسے بلند پایہ اکابر علماء آپ کے اساتذہ میں شامل تھے۔

۱۹۸۷ء میں والدہ کی دیرینہ خواہش (خواتین میں دینی تعلیم) کو مدِنظر رکھتے ہوئے اکابر علماء کرام کے مشورے سے طالبات کی دینی تعلیم کے منفرد ادارہ مدرسہ عائشہ صدیقہؓ کی بنیاد رکھی۔ بعدازاں ۲۰۰۰ء میں دینی تعلیم کے معروف ادارے مدرسہ ابن عباسؓ کی بنیاد رکھی، جس میں ابتدا سے ہی عربی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے۔ آپ کے قائم کردہ تمام اداروں میں عربی درس و تدریس اور تعلیم و تعلم کا شاندار نظام رائج ہے۔ اس کے بعد چھوٹے بچوں کی عربی تعلیم کے لیے روضہ عائشہؓ کے نام سے ادارہ قائم کیا جو اپنی نوعیت کا منفرد اور کئی خصوصیات پر مشتمل ہے۔ اس دوران بھی آپ تبلیغی اسفار اور تبلیغی محنت میں مشغول رہے۔ تقریباً آدھی دنیا سے زائد ممالک میں اسفار فرمائے۔ دینی و درسی کتب کا معروف اشاعتی ادارہ مکتبۃ البشریٰ قائم کیا، جس نے اشاعتی دنیا میں ایک انقلاب برپا کیا اور آج بھی اس ادارے کی شائع کردہ دینی کتب پاکستان سمیت بیرون دنیا کے کئی ممالک میں مقبول و معروف ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا اصلاحی تعلق سلسلہ قادریہ کی معروف روحانی و علمی شخصیت امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے ساٹھ کی دہائی میں قائم کیا، اپنے شیخ کی رحلت کے بعد ان کے فرزند مولانا عبیداللہ انور رحمۃ اللہ علیہ سے تصوف کا سلسلہ جاری رکھا، بعدازاں شیخ الحدیث حضرت محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے اور پھر کافی عرصہ مدینہ منورہ میں حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں گزارا۔

حضرتؒ کی نمازِ جنازہ مدرسہ ابن عباسؓ کے قریب وسیع گراؤنڈ میں ادا کی گئی، جس میں ہزاروں افراد نے شرکت کی، جگہ کی تنگی کے باعث بڑی تعداد ٹریفک میں ہجوم کی وجہ سے نماز جنازہ میں شرکت سے رہ گئی، حضرت کی وصیت کے مطابق سوسائٹی قبرستان طارق روڈ میں اپنے والد، والدہ اور حضرت مفتی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور، خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ) کے پہلو میں تدفین عمل میں لائی گئی۔ آپ کی نمازِ جنازہ میں جامعہ کے کئی اساتذہ، علماء، طلبہ کے علاوہ دیگر مدارس کے ذمہ داران، اکابر علماء، تبلیغی مشایخ اور دیگر ہزاروں مسلمانوں نے شرکت کی۔

محترم جناب الحاج بھائی عبداللطیف صاحب اور جناب سید انوار الحسن صاحب کی معیت میں راقم الحروف نے حضرت ڈاکٹر صاحب کے مدرسہ سیدہ عائشہؓ للبنات میں تعزیتِ مسنونہ کی غرض سے حاضری دی، محترم حضرت مولانا محمد بلال صاحب اور ان کے دوسرے رفقاء سے تعزیت کا اظہار کیا اور دعائے مغفرت کی۔ اللہ تعالیٰ حضرت کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کے لگائے گئے باغ کو خوب ترقیات سے نوازے اور آپ کے متعلقین کو آپ کے مشن کو جاری وساری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر صاحب کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، اور ان کے صدقاتِ جاریہ کو جاری وساری رکھے، اور ان کے متعلقین کو آپ کے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ تمام قارئین بینات سے حضرت ڈاکٹر صاحب کے لیے ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

سائیں عبدالصمد ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ

ولی کامل، ہزاروں علماء وصلحاء کے پیر ومرشد، جمعیت علماء اسلام پاکستان صوبہ سندھ کے امیر حضرت مولانا سائیں عبدالصمد صاحب ہالیجوی نوراللہ مرقدہٗ اس دنیا فانی میں ۸۰ سال گزارنے کے بعد ۱۱ رصفر المظفر ۱۴۴۵ھ مطابق ۲۹ راگست ۲۰۲۳ء بروز منگل داعیِ اجل کو لبیک کہتے ہوئے عالمِ بقا کی طرف روانہ ہوگئے، إنا للہ وإنا إلیه راجعون، إن لله ما أخذ ولهٗ ما أعطى وكل شيء عندهٗ بأجل مسمّٰى.

صوبہ سندھ میں بسنے والا ہر باشعور اور متدین آدمی جانتا ہے کہ سندھ کی قدیم خانقاہوں میں سے خانقاہ ہالیجی شریف کو بلند پایہ مقام اور مرتبہ حاصل ہے، جس کے پہلے مسند نشین مجاہد صفت عالم دین حضرت مولانا تاج محمود امروٹی قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز قطبِ زمانہ حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجوی نور اللہ مرقدہٗ تھے، اس کے بعد ان کے بیٹے مولانا محمود اسعد رحمۃ اللہ علیہ تھے، اور ان کے بعد مولانا عبدالصمد ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ آپ زہد وتقویٰ کے پیکر، سادہ مزاج، سادہ بود وباش کے حامل تھے، اپنی پیرانہ سالی اور کئی عوارض کے باوجود آپ نے سندھی میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا جو ابھی طباعت کے مراحل طے کررہا ہے، ان شاء اللہ! یہ ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنے گا۔ آپ سندھ اور بلوچستان کے کئی مدارس کے سرپرست بھی تھے۔

آپ اپریل ۱۹۴۳ء میں ہالیجی شریف میں حضرت مولانا سائیں محمود اسعد ہالیجوی کے گھر پیدا ہوئے تھے، آپ کا نام آپ کے دادا، جنگِ آزادیِ ہند کے عظیم مجاہد، پیر ومرشد، ولی کامل حضرت مولانا سائیں حماد اللہ ہالیجویؒ نے ''عبدالصمد'' تجویز کیا تھا۔ آپ انڈھڑ قوم سے تعلق رکھتے تھے، آپ کے آباء

واجداد راجستھان انڈیا سے بہاولپور ہجرت کر کے آئے اور پھر وہاں سے پنوعاقل میں آباد ہوئے، آپ نے جب آنکھ کھولی تو آپ کے اردگرد تصوف کا ہی روحانی اور نورانی ماحول تھا، جس میں آپ پلے بڑھے اور ایک وقت آیا کہ آپ خانقاہ کے سجادہ نشین ہوئے اور آپ نے ایک کثیر مخلوق کو اپنے انوارات سے واصل باللہ کیا۔

ناظرہ قرآن مجید اور درسِ نظامی کی ابتدائی کتب اپنے والد ماجدؒ سے پڑھی تھیں، اور اس کے بعد خانقاہ ہالیجی شریف ہی میں مولانا عبدالمجید نجارؒ، مولانا محمد صدیق ہنجراؒ سے پڑھنے کے بعد رحیم یار خان کا سفر اختیار فرمایا تھا اور مولانا عبدالغنی جاجروی (رحیم یار خان) سے شرفِ تلمذ حاصل کیا تھا۔ حضرت مولانا عبدالکریم بیر شریف (قمبر شہداد کوٹ) سابق مرکزی امیر جمعیت علماء اسلام پاکستان کی شاگردی کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا تھا۔ جامعۃ مدینۃ العلوم حمادیہ پنوعاقل میں دو سال پڑھنے کے بعد آپ نے جامعہ اشرفیہ لاہور میں داخلہ لیا تھا، وہاں ۱۹۶۸ء میں شیخ المعقول والمنقول حضرت مولانا رسول خان صاحب ہزارویؒ اور شیخ الحدیث والادب حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ سے دورہ حدیث کی تکمیل فرمائی تھی۔ دورہ حدیث کی تکمیل کے بعد آپ نے تین سال تک جامعہ مدینۃ العلوم حمادیہ پنوعاقل میں پڑھایا اور پھر خانقاہ ہالیجی شریف تشریف فرما ہو کر تدریس کے سلسلہ کو جاری رکھا۔ ۲۰۰۰ء سے ۲۰۰۳ء تک صحیح بخاری شریف پڑھاتے رہے۔ اپریل ۱۹۸۰ء میں والد گرامی حضرت مولانا سائیں محمود اسعد ہالیجویؒ کی وفات کے بعد خانقاہ اور مدرسہ کی ساری ذمہ داری آپ نے تاحیات احسن طریقہ سے نبھائی۔

جمعیت علماء اسلام پاکستان سے تعلق اور وابستگی آپ کو ورثہ میں ملی تھی، آپ کے دادا مرحوم حضرت مولانا سائیں حماد اللہ ہالیجوی جمعیت علماء اسلام پاکستان کے بانی رہنماؤں میں تھے، جبکہ آپ کے والد محترم جمعیت علماء اسلام پاکستان کے سکھر ڈویژن کے امیر تھے۔ آپ نے بھی مریدین ومتوسلین کی اصلاح اور درس وتدریس کے ساتھ ساتھ میدانِ سیاست میں بھی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ تحریکِ ختمِ نبوت ۱۹۷۴ء، تحریکِ نظامِ مصطفیٰ ۱۹۷۷ء اور تحریکِ بحالیِ جمہوریت ۱۹۸۳ء میں آپ پیش پیش رہے تھے۔ ۱۹۸۲ء میں آپ کو جمعیت علماء اسلام پاکستان کی مرکزی شوریٰ کا رکن مقرر کیا گیا تھا۔ ۱۹۸۵ء میں ضلعی امیر اور ۱۹۹۰ء سے تاوفات مسلسل صوبائی امیر تھے۔ ۱۹۸۸ء اور ۱۹۹۰ء کے عام انتخابات میں پنوعاقل سے قومی اسمبلی کے امیدوار تھے، جب کہ ۱۹۹۳ء کے الیکشن میں سکھر کی سیٹ پر الیکشن لڑا تھا۔

راقم الحروف کو ویسے تو کئی بار حضرت کی زیارت نصیب ہوئی، لیکن ایک بار سکھر میں ایک کانفرنس کے موقع پر حضرت سے تفصیلی ملاقات ہوئی اور فرمایا کہ میں آپ کے اداریے اور مضامین پڑھتا رہتا ہوں، جس سے دل کو بہت خوشی ہوتی ہے، اور اسی موقع پر حضرت نے درگاہ ہالیجی شریف آنے کا بھی فرمایا، میری

محرومی کہ حضرت کی زندگی میں وہاں نہ جاسکا، آپ کے وصال کے بعد تعزیت کے لیے جانا نصیب ہوا۔

آپ ایک عرصہ سے علیل تھے۔ آپ کی وفات حسرت آیات آپ کے لواحقین، مریدین، متوسلین، جمعیت علماء اسلام پاکستان کے رہنماؤں اور لاکھوں کارکنوں کے لیے دلی صدمہ اور ناقابلِ ازالہ نقصان ہے۔ اس صدمات کے مرحلوں میں اللہ جل جلالہ کی مرضی پر راضی رہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس کا مکین بنائے، آمین۔

ادارہ بینات حضرت کے پسماندگان اور متعلقین سے تعزیت کا اظہار کرتا ہے اور ان کے غم کو اپنا غم سمجھتا ہے اور قارئین بینات کے باتوفیق حضرات سے حضرت کے لیے ایصالِ ثواب کی درخواست کرتا ہے۔

سعید احمد بن خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف کے سابق سجادہ نشین، عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے سابق امیرِ مرکزیہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد قدس سرہٗ کے چوتھے نمبر کے صاحبزادے اور موجودہ سجادہ نشین صاحبزادہ حضرت مولانا خلیل احمد دامت برکاتہم العالیہ کے چھوٹے بھائی محترم جناب صاحبزادہ سعید احمد اچانک حرکتِ قلب بند ہونے سے ۱۵ر صفر المظفر ۱۴۴۵ھ مطابق ۲ر ستمبر ۲۰۲۳ء بروز ہفتہ انتقال فرماگئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، إن للہ ما أخذ ولہٗ ما أعطی وکل شيء عندہٗ بأجل مسمّٰی.

حضرت مولانا خواجہ خان محمد قدس سرہٗ کی پہلی اہلیہ سے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں۔ پہلی اہلیہ کے انتقال کے بعد حضرت نے دوسرا نکاح کیا، اس سے دو بیٹے ہوئے، بڑے صاحبزادے سعید احمد تھے، جن کا انتقال ہوا ہے۔ آپ کی پیدائش ۸ر محرم الحرام ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۷ر مارچ ۱۹۶۹ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے مدرسہ عربیہ سعدیہ خانقاہِ سراجیہ سے حاصل کی، عصری علوم میں میٹرک کیا، پھر دینی وعصری تعلیم کو خیرباد کہہ کر سفر وحضر میں اپنے والد کی خدمت میں مصروف رہے۔ حضرت خواجہ خان محمد قدس سرہٗ کے زندگی بھر کے خدمت گزار لالہ عابد مرحوم ہوا کرتے تھے، ان کی رحلت کے بعد بھائی سعید احمد نے اس خدمت کو اپنے لیے ایک اعزاز اور سعادت سمجھا، اسی طرح آپ خانقاہ شریف کے جملہ امور میں حصہ لیتے تھے، آپ نے بیعت اپنے والد ماجد حضرت خواجہ خان محمد قدس سرہٗ سے کی، آپ کے اوصاف کے بارہ میں مولانا اللہ وسایا صاحب نے اپنی کتاب ''تذکرہ خواجۂ خواجگان'' میں لکھا ہے:

''ماشاء اللہ بہت متشرّع ہیں، نماز، روزہ کے پابند، حضرت والد صاحب قبلہؒ کے بہت ہی چہیتے صاحبزادے ہیں۔ حضرت قبلہؒ کی خدمت کو حرزِ جان بنالیا۔ حضرت قبلہؒ کے زمانۂ حیات میں خانقاہ

شریف کے لنگر خانے کا نظام ان کے سپرد رہا۔ ویسے بھی بہت منتظم مزاج ہیں، برادری اور خانقاہ شریف کے کاموں کے لیے افسران سے میل ملاپ رکھنا اوران سے کام لینے کا اُن کو ڈھنگ آتا ہے۔ سیاست میں اُترے تو ایک بار ناظم بھی منتخب ہوئے، سیاست میں ان کی رائے کو احترام کا درجہ حاصل ہے۔ مقدر کے دھنی ہیں، مٹی پر ہاتھ رکھ دیں تو سونا ہوجاتی ہے۔ سراجیہ سی این جی اور دیگر کئی کام شروع کرر کھے ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ نے ان پر رزق کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ خود زیادہ نہیں پڑھے تو اَب وہ تمام حسرت اپنی اولاد پر نکال رہے ہیں۔ انہیں پڑھنے کے لیے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں داخل کرر کھا ہے۔ ایک سیاست دان یا برادری کے ملک وڈیرے والی صلاحیتیں ان میں موجود ہیں۔‘‘

مرحوم نے پسماندگان میں ایک بیوہ، تین بیٹیاں اور ایک بیٹا سوگوار چھوڑا ہے۔

آپ کے بڑے بھائی صاحبزادہ حضرت مولانا عزیز احمد دامت برکاتہم نائب امیرِ مرکزیہ عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت ماہِ ستمبر کی مناسبت سے جو ملک بھر میں تحفظِ ختمِ نبوت کے عنوان سے پروگرام منعقد ہورہے ہیں، اسی سلسلہ میں کوئٹہ کانفرنس میں شرکت فرما کر حیدرآباد اور کراچی کانفرنسوں میں شرکت کی غرض سے تشریف لائے ہوئے تھے، جمعہ کو ائیر پورٹ سے سیدھا حیدرآباد کانفرنس میں شرکت کی، رات کو دو بجے کانفرنس کی دعا کرائی، پھر درگاہِ عالیہ ہالیجوی شریف کے سجادہ نشین سائیں عبدالصمد نوراللہ مرقدہٗ کی تعزیت کے لیے دو گاڑیوں میں سوار ایک قافلہ جس میں حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب، حضرت مولانا قاضی احسان احمد، حضرت مولانا مفتی خالد محمود اور راقم الحروف ایک گاڑی میں اور دوسری گاڑی میں صاحبزادہ عزیز احمد، مولانا تجمل حسین صاحب (مبلغ عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت نواب شاہ) اور حضرت کے دوست جناب عبدالقادر کریو صاحب تھے، نو بجے درگاہ ہالیجی شریف پہنچے، وہاں تعزیت کی، واپسی پر مجلس کے دفتر پنوں عاقل میں کچھ دیر آرام کیا اور واپس کراچی آتے ہوئے تقریباً دو بجے کے قریب صاحبزادہ عزیز احمد صاحب کو اپنے بھائی کی وفات کی خبر ملی، آپ نے حضرت قاضی صاحب کے فون پر قاضی صاحب اور مولانا اللہ وسایا صاحب کو بتایا۔ اتفاقاً خواجہ خلیل احمد صاحب بھی کراچی میں تھے، حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب کے معلوم کرنے پر بتایا گیا کہ سعید احمد خود ہی گاڑی ڈرائیو کر کے میانوالی شہر گئے، وہاں اچانک دل کی تکلیف ہوئی، ڈاکٹر کے پاس آپ کو لے جایا گیا تو ڈاکٹر صاحب نے تصدیق کی کہ آپ کی روح جسد خاکی سے پرواز کرگئی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی مغفرت فرمائے، آپ کے پسماندگان کی کفالت فرمائے، اور آپ کے لواحقین کو صبرِ جمیل کی توفیق سے نوازے، آمین۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

اہلِ کتاب سے نکاح اوراس کے اثرات واحکامات

ادارہ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

گزارش عرض ہے کہ میں ایم فل کی سطح پر علومِ اسلامیہ کا مقالہ لکھ رہی ہوں، مقالے کا عنوان ہے: ''اہلِ کتاب سے نکاح اوراس کے اثرات''

آپ حضرات اس بارے میں شرعی رہنمائی کرتے ہوئے مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات عنایت فرمائیں۔ آپ کی عین نوازش ہوگی۔

❶- اہلِ کتاب عورت سے شادی کی صورت میں نکاح کس مذہب کے مطابق پڑھایا جائے گا؟

❷- مسلمان مرد اہلِ کتاب کے چرچ میں جاکر نکاح کرتا ہے تو کیا یہ شادی جائز سمجھی جائے گی؟

❸- اہلِ کتاب بیوی پر غسل وطہارت کے بارے میں کیا احکامات لاگو ہوں گے؟

❹- اس نکاح کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچوں کے نام عیسائیوں کے نام پر رکھنا کیسا ہے؟

❺- کیا مسلمان مرد اپنی اہلِ کتاب بیوی کو سور کھانے اور شراب پینے سے منع کرسکتا ہے؟

❻- اگر اہلِ کتاب بیوی سور اور شراب کا استعمال اپنے مسلمان شوہر کے سامنے کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

❼- مسلمان مرد اپنی اہلِ کتاب بیوی کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا کھاسکتا ہے؟

❽- مسلمان بچے اپنی اہلِ کتاب ماں کی کس حد تک فرمانبرداری کرسکتے ہیں؟

❾- اہلِ کتاب ماں اپنی اولاد کو چرچ وغیرہ میں لے جاسکتی ہے؟

❿- اہلِ کتاب بیوی اپنی عبادات اور مذہبی تہوار کس حد تک اپنے مذہبی طریقے سے ادا کرسکتی ہے؟

⓫- اگر مسلمان شوہر اپنی اہلِ کتاب بیوی کو طلاق دینا چاہے تو اس کا کیا طریقہ کار ہوگا؟

⓬ - اہلِ کتاب بیوی پر پردے کے بارے میں کیا احکامات لاگو ہوں گے؟

⓭ - شوہر کی وفات کی صورت میں اہلِ کتاب بیوی دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے؟

⓮ - شوہر کے فوت ہونے کی صورت میں اہلِ کتاب بیوی پر عدت کے بارے میں کیا احکامات لاگو ہوں گے؟ اور شوہر کی وراثت میں اس کو کتنا حصہ ملے گا؟

⓯ - اہلِ کتاب بیوی اگر فوت ہوجائے تو اس کی تجہیز وتکفین کس مذہب کے مطابق ہوگی؟

⓰ - اہلِ کتاب بیوی کی میراث میں مسلمان شوہر کو کتنا حصہ ملے گا؟ اسی طرح مسلمان شوہر کی میراث میں اہلِ کتاب بیوی کو کتنا حصہ ملے گا؟

⓱ - اہلِ کتاب بیوی کے مذہبی معاملات مثلاً گرجا کی تعمیر وغیرہ میں مسلمان شوہر کتنی مدد کرسکتا ہے؟ اہلِ کتاب بیوی اپنے مسلمان شوہر کی کمائی سے اپنے مذہبی نظریات کا پرچار کرسکتی ہے؟

قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ سائلہ: ڈاکٹر کوثر فردوس، اسلام آباد

الجواب باسم ملهم الصواب

اصل جوابات سے قبل چند امور ملاحظہ ہوں:

اول: یہ کہ کتاب سے کیا مراد ہے؟

دوم: یہ کہ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں اہلِ کتاب سے مراد کون لوگ ہیں؟

سوم: یہ کہ کیا اہلِ کتاب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگ اپنی کتاب پر صحیح طور سے ایمان و عمل رکھتے ہوں؟

یہ تو ظاہر ہے کہ کتاب سے مراد اس کے لغوی معنی (یعنی ہر لکھا ہوا ورق) تو ہو نہیں سکتے، (وہی کتاب مراد ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف سے آئی ہو، اس لیے باتفاقِ امت کتاب سے مراد وہ آسمانی کتاب ہے جس کا کتاب اللہ ہونا بتصدیقِ قرآن یقینی ہو) جیسے تورات، زبور، انجیل، صحفِ موسیٰ وابراہیم وغیرہ۔ اس لیے وہ قومیں جو کسی ایسی کتاب پر ایمان رکھتی ہوں جس کا کتاب اللہ ہونا قرآن وسنت کے یقینی ذرائع سے ثابت نہیں، وہ قومیں اہلِ کتاب میں داخل نہیں ہوں گی، جیسے مشرکینِ مکہ، بت پرست، ہندو، مجوس، آریہ، سکھ، وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہود ونصاریٰ جو تورات وانجیل پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ باصطلاحِ قرآن اہلِ کتاب میں داخل ہیں۔

اب رہا یہ معاملہ کہ یہود ونصاریٰ کو اہلِ کتاب کہنے اور سمجھنے کے لیے کیا یہ شرط ہے کہ وہ صحیح طور پر اصلی تورات وانجیل پر عمل رکھتے ہوں؟ یا محرف تورات اور انجیل کا اتباع کرنے والے اور عیسیٰ ومریم علیہما السلام کو خدا کا شریک قرار دینے والے بھی اہلِ کتاب میں داخل ہیں؟ سو قرآن کریم کی بے شمار تصریحات سے

واضح ہے کہ اہلِ کتاب ہونے کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ وہ کسی آسمانی کتاب کے قائل ہوں اور اس کے اتباع کرنے کے دعویدار ہوں، خواہ وہ اس کے اتباع میں کتنی گمراہیوں میں جا پڑے ہوں۔

اس تفصیل کے بعد یہ واضح ہو کہ مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد سے کسی بھی صورت میں جائز نہیں، خواہ کفر کی کوئی بھی قسم ہو۔ اسی طرح مسلمان مرد کا نکاح بھی کسی کافر عورت سے جائز نہیں، البتہ اگر عورت اہلِ کتاب میں سے ہو تو اس سے مسلمان مرد کا نکاح ہوسکتا ہے۔ ①

لیکن آج کل یورپ کے عیسائی اور یہودیوں میں سے ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو اپنی مردم شماری کے لحاظ سے یہودی یا نصرانی کہلاتے تو ہیں، مگر درحقیقت وہ خدا کے وجود اور کسی مذہب ہی کے قائل نہیں۔ نہ تورات وانجیل کو خدا کی کتاب مانتے ہیں اور نہ موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا نبی و پیغمبر تسلیم کرتے ہیں، لہٰذا جن یہود و نصاریٰ کے متعلق یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوجائے کہ وہ خدا کے وجود ہی کو نہیں مانتے یا حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا نبی نہیں مانتے، وہ اہلِ کتاب کے حکم میں داخل نہیں اور ان سے نکاح جائز نہیں۔

لیکن یہ بھی واضح رہے کہ جمہور صحابہؓ وتابعینؒ کے نزدیک اگرچہ ازروئے قرآن اہلِ کتاب عورتوں سے فی نفسہٖ نکاح حلال ہے، لیکن ان سے نکاح کرنے پر جو دوسرے مفاسد اور خرابیاں اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے، بلکہ پوری امتِ اسلامیہ کے لیے ازروئے تجربہ لازمی طور سے پیدا ہوں گی، ان کی بنا پر اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کو وہ بھی مکروہ سمجھتے تھے۔

علامہ ابوبکر جصاصؒ نے ''أحکام القرآن'' میں شقیق بن سلمہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جب مدائن پہنچے تو وہاں ایک یہودی عورت سے نکاح کیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو ان کو خط لکھا کہ اس کو طلاق دے دو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ کیا وہ میرے لیے حرام ہے؟ تو پھر امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں حرام نہیں کہتا، لیکن ان لوگوں کی عورتوں میں عام طور پر عفت اور پاکدامنی نہیں ہوتی، اس لیے مجھے خطرہ ہے کہ آپ لوگوں کے گھرانے میں اس راہ سے فحش وبدکاری داخل نہ ہوجائے۔ اور امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الآثار'' میں اس واقعہ کو بروایتِ امام ابوحنیفہؒ اس طرح نقل کیا ہے کہ دوسری مرتبہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تو اس کے الفاظ یہ تھے:

''أعزم علیك أن لا تضع کتابي حتی تخلی سبیلها، فإني أخاف أن یقتدیك المسلمون فیختاروا نساء أهل الذمة لجمالهن وکفی بذلك فتنة لنساء المسلمین.'' (کتاب الآثار، ص:١٦٥)

''یعنی آپ کو قسم دیتا ہوں کہ میرا یہ خط اپنے ہاتھ سے رکھنے سے پہلے ہی اس کو طلاق دے کر

آزاد کردو، کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ دوسرے مسلمان بھی آپ کی اقتداء کریں اور اہلِ ذمہ اہلِ کتاب کی عورتوں کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے مسلمان عورتوں پر ترجیح دینے لگیں تو مسلمان عورتوں کے لیے اس سے بڑی مصیبت کیا ہوگی۔''

اس واقعہ کو نقل کر کے حضرت امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: فقہائے حنفیہ اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ اس نکاح کو حرام تو نہیں کہتے، لیکن دوسرے مفاسد اور خرابیوں کی وجہ سے مکروہ سمجھتے ہیں، جیسا کہ فتاویٰ شامی (ج:۳، ص: ٤٥، ط، سعید) میں ہے:

''ویجوز تزوج الکتابیات والأولی أن لا یفعل إلا للضرورة.''

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس زمانے میں جو کہ خیر القرون تھا اور اس زمانہ کی عیسائی عورتیں مذہب پرست اور کتابی بھی تھیں، عیسائی عورتوں کے متعلق یہ ممانعت فرمائی تھی، تو آج کا دور تو بے انتہا فساد کا دور ہے، آج کے دور میں ان عیسائی اور یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقاتِ ازدواج تو بالکل ان مسلمانوں کے دین اور دنیا کو تباہ کردینے والے ہیں، جس کا روزمرہ مشاہدہ ہوتا ہے۔ نیز ہمارے اس دور میں نہ صحیح کتابیت ہے نہ مذہبیت، بلکہ دہریت اور سراسر سائنس پرستی ہے۔ اس وقت زیادہ ضروری ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ممانعت پر عمل کیا جائے اور نکاح نہ کیا جائے۔ تفسیر حقانی میں ہے:

''آج کل کے ملاحدۂ یورپ تو ہرگز عیسائی شمار نہیں ہوں گے۔'' (ج:۴،ص:۱۱)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''لیکن اس زمانے میں جو نصاریٰ کہلاتے ہیں وہ اکثر قومی حیثیت سے نصاریٰ ہیں، مذہبی حیثیت سے محض دہری وسائنس پرست ہیں، ایسوں کے لیے یہ حکم جوازِ نکاح کا نہیں ہے۔''

(امداد الفتاوی، ج:۲،ص:۲۴۱،ط: مکتبہ دار العلوم کراچی)

مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ''معارف القرآن'' میں فرماتے ہیں:

''الغرض قرآن وسنت اور اسوۂ صحابہؓ کی رو سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ آج کل کی کتابی عورتوں کو نکاح میں لانے سے کلی پرہیز کریں۔'' (ج:۳،ص:۶۴،ادارۃ المعارف، کراچی)

اس ضروری تمہید کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب ملاحظہ ہوں:

❶ - اسلام میں کسی غیر مسلم مشرکہ عورت سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ۔'' (سورۂ بقرہ، آیت:۲۲۱، پارہ:۲)

ترجمہ: ''اور نکاح مت کرو کافر عورتوں کے ساتھ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہوجاویں۔'' (بیان القرآن)

لیکن غیر مسلموں میں سے صرف اہلِ کتاب عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے، اور وہ بھی صرف اس وجہ سے کہ نکاح کی حلت وحرمت میں اہلِ کتاب کا اصل مذہب موجودہ زمانے تک اکثر چیزوں میں اسلامی شریعت کے مطابق ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ اہلِ کتاب میں پایا جاتا ہے، وہ جاہل عوام کی اغلاط ہیں، ان کا مذہب نہیں، لہٰذا اگر مخصوص کر کے اہلِ کتاب عورتوں سے نکاح کی اجازت دی بھی گئی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ نکاح انہیں کے طریقہ پر پڑھایا جائے یا جس بھی طریقہ سے چاہے پڑھایا جائے، بلکہ نکاح اسلامی طریقہ سے ہی پڑھایا جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مسلمان عورتوں اور اہلِ کتاب عورتوں سے نکاح کا حکم ایک ہی ساتھ بیان کیا اور جو طریقہ مسلمان عورتوں سے نکاح کا بتلایا کہ باقاعدہ ان کا حق مہر ادا کر کے ان سے نکاح کرو، وہی طریقہ اہلِ کتاب عورتوں سے نکاح کا بھی بتلایا۔ (۲)

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مسلمان مرد کی اہلِ کتاب سے شادی کی صورت میں نکاح مذہبِ اسلام ہی کے مطابق پڑھایا جائے گا، جس میں باقاعدہ روبرو گواہوں کے ایجاب وقبول ہوگا۔

❷ - اگر مسلمان مرد نے اہلِ کتاب عورت سے اس کے چرچ میں جا کر اس کے مذہبی قواعد کے مطابق شادی کی تو یہ شادی معتبر نہیں ہوگی، لہٰذا توبہ واستغفار اور از سرِ نو نکاح پڑھنے کا حکم عائد ہوگا۔ لیکن اگر چرچ میں جا کر اسلامی طریقہ سے شادی کی ہو تو یہ شادی معتبر تو ہو جائے گی، اس لیے کہ نکاح کے لیے ایجاب وقبول ضروری ہے، جہاں کہیں بھی ہو، کسی مکان کے ساتھ خاص نہیں، لیکن پھر بھی کراہت سے خالی نہیں۔ کتابوں میں ایسے شخص کو تعزیری سزا دینے کا ذکر ہے جو ان کے عبادت خانوں میں آنا جانا رکھتا ہو۔ نیز نکاح کے لیے مستحب ہے کہ مسجد یا دیگر مبارک مقامات پر ہو، جب کہ گرجا چرچ وغیرہ شیاطین کے جمع ہونے کی جگہیں ہیں۔ (۳)

❸ - واضح رہے کہ اسلام اپنے پیروکاروں اور ماننے والوں کو طہارت و پاکیزگی کی ترغیب دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام جنابت، حیض، نفاس اور مباشرت کے بعد طہارت کے واسطے غسل کرنے کو لازم ٹھہراتا ہے۔ (۴)

لیکن چونکہ یہ اسلام کا خالص مذہبی معاملہ ہے، اس لیے ایک اہلِ کتاب عورت کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا اگر اہلِ کتاب جنابت، حیض ونفاس اور مباشرت کے بعد غسل وطہارت کو لازم نہیں سمجھتے ہوں، تو ایک مسلمان مرد کے لیے اپنی اہلِ کتاب بیوی کو جنابت، حیض ونفاس وغیرہ کے بعد غسل پر مجبور کرنے کا حق حاصل نہیں، لیکن ایک مسلمان مرد کی بیوی ہونے کے ناطے اگر اہلِ کتاب عورت مذکورہ بالا صورتوں میں اپنی خوشی سے غسل کرلے تو یہ مستحسن اور قابلِ ستائش ہے۔ (۵)

❹ - واضح رہے کہ اہلِ کتاب عورت سے شادی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد مسلمان ہوگی۔ (۶)

نیز یہ بھی واضح رہے کہ برے نام کا انسان کی شخصیت اور اس کے کردار پر کافی اثر پڑتا ہے، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے اور بہترین نام رکھنے کی ترغیب دی ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

''عن عبد الحميد بن جبير بن شيبة قال: جلست إلى سعيد بن المسيب، فحدثني أن جدهٗ حزنا قدم على النبي ﷺ، فقال: ما اسمك؟ قال: اسمي حزن، قال: بل أنت سهل، قال: ما أنا بمغير إسما سمانيه أبي، قال ابن المسيب: فما زالت فينا الحزونة بعد. رواه البخاري.'' (مشکاۃ، ج:۲،ص:۴۰۹، ط: قدیمی کتب خانہ)

ترجمہ: ''حضرت عبدالحمید بن جبیر بن شیبہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت سعید بن مسیبؒ کی خدمت میں حاضر تھا کہ انہوں نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی کہ میرے دادا جن کا نام حزن تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میرا نام حزن ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ: حزن کوئی اچھا نام نہیں ہے، بلکہ میں تمہارا نام سہل رکھتا ہوں۔ میرے دادا نے کہا کہ: میرے باپ نے میرا جو نام رکھا ہے، اب میں اس کو بدل نہیں سکتا۔ حضرت سعیدؒ نے فرمایا کہ: اس کے بعد سے اب تک ہمارے خاندان میں ہمیشہ سختی رہی۔'' (مظاہر حق جدید)

ایک اور حدیث میں ہے:

''وعن أبي وهب الجشمي قال: قال رسول الله ﷺ: تسموا بإسماء الأنبياء وأحبّ الأسماء إلى الله عبد الله وعبد الرحمٰن وأصدقها حارث وهمام وأقبحها حرب ومرة.'' (مشکاۃ، ج:۲،ص:۴۰۹، ط: قدیمی کتب خانہ)

ترجمہ: ''اور حضرت ابو وہب جشمیؒ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: انبیاء کے ناموں پر اپنے نام رکھو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں ...... نیز زیادہ سچے نام حارث اور ہمام ہیں اور سب سے برے نام حرب اور مرۃ ہیں۔'' (مظاہرِ حق جدید)

اس تمام تفصیل کے پیشِ نظر صورتِ مسئولہ میں مسلمان بچوں کے نام عیسائیوں کے ناموں جیسے رکھنا جائز نہیں، اس سے اجتناب ضروری ہے۔

❺، ❻ - اہلِ کتاب چونکہ شراب پینے اور سور کا گوشت کھانے کی حلال سمجھتے ہیں، اس لیے اہلِ کتاب بیوی کے لیے اس کے کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں، لیکن یہ خیال رکھے کہ اپنے مسلمان شوہر اور بچوں کے سامنے نہ کھائے پیئے۔

اور جہاں تک گھر میں شراب لانے کا یا گھر میں شراب بنانے کا تعلق ہے تو چونکہ اس سے بچوں کی تربیت متاثر ہوسکتی ہے، اس لیے ایک مسلمان شوہر اپنی اہلِ کتاب بیوی کو گھر میں شراب بنانے اور لانے سے منع کرسکتا ہے۔ [۷]

❼ - واضح رہے کہ اسلام نے انسان کے بدن کو پاک قرار دیا ہے، خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، اس لیے غیر مسلموں میں جب تک ظاہری نجاست نہ ہو تو ان کے ساتھ ایک برتن میں کھانا اور ان کے ہاتھ کی بنی ہوئی یا اس کی چھوئی ہوئی چیزیں مسلمانوں کو لینا اور کھانا جائز ہے، تاہم اعتقادی اختلاف باعثِ کراہت ہے، اس لیے اجتناب بہتر ہے۔[۸] لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر کوئی اور ذریعہ نہ ہو تو اہلِ کتاب بیوی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھایا جاسکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

❽ - واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ ادب واحترام اور حسنِ سلوک سے پیش آنے کا قرآن مجید میں بار بار حکم فرمایا ہے اور ان کو معمولی سے معمولی تکلیف دینے سے بھی منع فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

’’وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ‘‘ (سورۂ اسراء، آیت: ۲۳)

ترجمہ: ’’اور تم اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرو، اگر تیرے پاس ان میں ایک یا دونوں کے دونوں بڑھاپے کو پہنچ جاویں، سو ان کو کبھی ہاں سے ہوں بھی مت کرنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا۔‘‘ (بیان القرآن)

اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی والدین بلکہ بالخصوص والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کا کئی احادیث میں حکم دیا ہے، چند ایک یہ ہیں:

’’عن أبي هريرةؓ قال: قال رجل: يا رسول الله! من أحق بحسن صحابتي، قال: أمك، قال: ثم من؟ قال: أمك، قال: ثم من؟ قال: أمك، قال: ثم من؟ قال: أبوك.‘‘ (مشکاۃ، ج:۲، ص:۴۱۸، ط: قدیمی کتب خانہ)

’’حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری اچھی رفاقت یعنی میری طرف سے حسنِ سلوک واحسان اور خدمت گزاری کا سب سے زیادہ مستحق کون شخص ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے عرض کیا: پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے عرض کیا: پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری ماں۔ اس نے عرض کیا: پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا باپ۔‘‘ (مظاہرِ حق جدید)

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

’’وعن أسماء بنت أبي بكرؓ قالت: قدمت علي أمي وهي مشركة في عهد قريش، فقلت: يا رسول الله! إن أمي قدمت علي وهي راغبة، أفأصِلها؟ قال: نعم، صِليها.‘‘ (مشکاۃ، ج:۲، ص:۴۱۹، ط: قدیمی)

ترجمہ: ’’اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کہتی ہیں کہ میری والدہ شرک کی حالت میں مکہ مکرمہ سے مدینہ آئیں، جب کہ قریش کے ساتھ صلح کا زمانہ تھا، یعنی مدینہ میں میری والدہ کے آنے کا واقعہ اس زمانہ کا ہے، جب کہ صلح حدیبیہ کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو چکا تھا اور میری والدہ اس وقت تک مشرف باسلام نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری والدہ میرے پاس آئی ہیں اور وہ اسلام سے بیزار ہیں، کیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔‘‘ (مظاہر حق جدید)

لیکن یہ واضح رہے کہ یہ فرمانبرداری کا حکم صرف اس وقت تک ہے جب تک وہ کسی خلافِ شریعت کام پر مجبور نہ کریں۔ اگر والدین خلافِ شریعت کام پر مجبور کریں تو اس میں ان کی فرمانبرداری نہ صرف ضروری نہیں، بلکہ ناجائز ہے، لیکن حسنِ سلوک اور ادب واحترام بہرحال ضروری ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

’’وَاِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ۙ فَلَا تُطِعۡهُمَا وَصَاحِبۡهُمَا فِى الدُّنۡيَا مَعۡرُوۡفًا‘‘ (سورۂ لقمان، آیت: ۱۵، پارہ: ۲۱)

ترجمہ: ’’اور اگر تجھ پر وہ دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرا جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو ان کا کچھ کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کرنا۔‘‘ (بیان القرآن)

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مسلمان بچے اہلِ کتاب ماں کی ہر قسم کی فرمانبرداری کے پابند ہوں گے، لیکن جو باتیں دینِ اسلام سے ہٹ کر یا شریعت سے متصادم ہوں، ان میں اہلِ کتاب ماں کی فرمانبرداری نہیں۔

❾ - چونکہ اہلِ کتاب بیوی سے پیدا شدہ اولاد مسلمان ہوگی (جیسا کہ گزر چکا)، تو اگر اہلِ کتاب ماں اپنی اولاد کو بچپن سے چرچ لے جائے گی تو وہ چرچ جانے کے عادی بن جائیں گے، حالانکہ مسلمان کا گرجا چرچ وغیرہ جانا مکروہ (ناجائز) ہے۔ نیز اس سے ان مسلمان بچوں کی مذہبی نقطۂ نظر سے تربیت پر بھی اثر پڑے گا، اس لیے مسلمان شوہر اپنی اہلِ کتاب بیوی کو بچوں کو چرچ لے جانے سے سختی سے منع کرے، تاکہ مستقبل میں وہ کفر سے محفوظ رہیں۔ ⑨

❿ - اہلِ کتاب بیوی اپنی عبادات اور مذہبی تہوار اپنے مذہبی طریقے سے ادا کرسکتی ہے۔ وہ گھر میں جہاں بھی چاہے اپنے مذہبی طریقے سے عبادت کرسکتی ہے، لیکن اگر وہ عبادت کے لیے چرچ یا گرجا جانا چاہے تو مسلمان شوہر اس کو چرچ جانے سے منع کرسکتا ہے، جیسے ایک مسلمان بیوی کو اس کا شوہر مسجد جانے سے منع کرسکتا ہے۔ ⑩

نیز اہلِ کتاب بیوی کے لیے گھر میں اس طرح کی کوئی چیز لٹکانا یا لگانا جو شعائرِ اہلِ کتاب میں سے

ہو، اس کی بھی شرعاً اجازت نہیں۔ ⑪

حاصل یہ کہ اہلِ کتاب بیوی مخصوص دائرہ میں رہ کر اپنے مذہبی تہوار اور عبادات اپنے مذہبی طریقہ سے ادا کرسکتی ہے۔

⑪- چونکہ اہلِ کتاب بیوی سے نکاح تب ہی معتبر ہوتا ہے جب اسلامی طریقہ سے کیا جائے، تو نکاح کے اس بندھن کو اگر کبھی توڑنے کی ضرورت پیش آئے تو بھی وہی طریقہ اختیار کیا جائے گا جو اسلام میں متعارف ہے، اور وہ ہے اسلام کا نظامِ طلاق۔ ⑫

لہٰذا جیسے ایک مسلمان بیوی کو طلاق دی جاتی ہے، اسی طرح اہلِ کتاب بیوی کو بھی دی جائے گی۔ اگر مسلمان شوہر اپنی اہلِ کتاب بیوی کو ایک یا دو طلاق رجعی دے دے تو عدت کے اندر اس کو رجوع کرنے کا اختیار ہوگا۔ اور اگر عدت گزر گئی یا طلاق بائن دی ہو تو دوبارہ رشتۂ زوجیت قائم کرنے کے لیے تجدیدِ نکاح (یعنی نئے مہر کے ساتھ نیا نکاح) لازم ہوگی۔ اور اگر تین طلاق دے دے تو اہلِ کتاب بیوی اپنے شوہر پر حرمتِ مغلظہ کے ساتھ حرام ہوجائے گی۔ رجوع یا تجدیدِ نکاح کی اجازت نہیں ہوگی، تا آنکہ وہ مسلمان شوہر کی عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرے اور حقوقِ زوجیت کی ادائیگی کے بعد دوسرا شوہر ازخود طلاق دے یا اس کا انتقال ہوجائے اور دوسرے شوہر کی عدت بھی گزر جائے تو پہلے شوہر سے نکاح جائز ہوگا۔ ⑬

⑫- چونکہ پردہ مسلمانوں کا ایک خالص مذہبی معاملہ ہے، اس لیے شرعاً اہلِ کتاب عورت کو اس کا پابند نہیں کیا جاسکتا، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی جس آیت میں پردے کا حکم فرمایا ہے، اس آیت میں ''نساء المؤمنین'' کا ذکر ہے، یعنی مؤمنین کی عورتیں، جن میں بیویاں بھی داخل ہیں، اس لیے اہلِ کتاب بیوی کو بھی پردے میں رہنا چاہیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ'' (احزاب)

ترجمہ: ''اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیبیوں سے بھی کہہ دیجئے کہ (سر سے) نیچے کرلیا کریں تھوڑی سی اپنی چادریں۔'' (بیان القرآن)

نیز اہلِ کتاب بیوی کا مسلمان شوہر اپنی بیوی کو باہر نکلنے اور بے پردگی سے روکنے کا پورا پورا حق رکھتا ہے۔ ⑭

⑬-جس طرح ایک مسلمان بیوی اپنے شوہر کے فوت ہونے کی صورت میں عدتِ وفات گزار کر دوسرا نکاح کرنے میں آزاد ہوتی ہے، اسی طرح اہلِ کتاب بیوی بھی شوہر کے فوت ہونے کی صورت میں عدتِ وفات گزارنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنے میں آزاد ہوگی۔ (عدت کی تفصیل آرہی ہے)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔'' (البقرۃ:۲۳۴)

ترجمہ: ’’پھر جب اپنی معیاد (عدت) ختم کرلیں تو تم کو کچھ گناہ نہ ہوگا ایسی بات میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لیے کچھ کارروائی (نکاح کی) کریں قاعدہ کے موافق۔‘‘ (بیان القرآن)

⑭-مسلمان شوہر اگر اپنی اہلِ کتاب بیوی کو طلاق دے یا وہ انتقال کرجائے تو اس کی اہلِ کتاب بیوہ مطلقہ پر عدت گزارنا لازم ہوگا۔ طلاق واقع ہونے کی صورت میں عدت تین ماہواریاں ہوگی اور شوہر کے انتقال کی صورت میں عدت چار مہینے دس دن ہوگی۔ اور اگر حاملہ ہو تو پھر دونوں صورتوں میں عدت وضع حمل ہوگی۔ [۱۵]

لیکن یہ واضح رہے کہ جس طرح ایک مسلمان بیوہ پر دورانِ عدت سوگ گزارنا لازم ہوتا ہے اور بلاضرورت گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہوتا، اہلِ کتاب بیوہ کے لیے یہ حکم نہیں، وہ اگر دورانِ عدت باہر نکلنا چاہے تو نکل سکتی ہے، نیز اس پر سوگ گزارنا لازم نہیں۔ [۱۶]

ہاں! اگر اہلِ کتاب بیوہ دورانِ عدت مسلمان ہوجائے تو پھر اس پر باقی عدت میں سوگ گزارنا لازم ہوگا۔ [۱۷]

⑮-اگر اہلِ کتاب بیوی کفر ہی کی حالت میں مرجائے تو اگر اس کا کوئی رشتہ دار اس کا ہم مذہب موجود ہو تو بہتر یہی ہے کہ اس کی لاش اسی کے لیے چھوڑ دی جائے، تاکہ وہ جس طرح چاہے اسے دفن وغیرہ کرلے اور اگر اس کا کوئی رشتہ دار اس کے مذہب کا نہ ہو تو اس کے مسلمان شوہر پر اس کا غسل وکفن ودفن واجب تو نہیں، البتہ ان کے لیے اتنا جائز ہے کہ غسل وکفن اور دفن کا جو مسنون طریقہ ہے، اس کی رعایت کیے بغیر اسے ناپاک کپڑے کی طرح دھوکر کپڑے میں لپیٹ کر کسی گڑھے میں دبا دے۔ [۱۸]

⑯-چونکہ اختلافِ دین وعقیدہ مانعِ ارث ہے، اس لیے کافر مسلمان کی میراث نہیں لے سکتا اور نہ ہی مسلمان کو کافر کی میراث دی جاسکتی ہے۔ [۱۹]

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مسلمان شوہر کے مرنے کے بعد اس کا ترکہ اس کے مسلمان ورثاء میں تقسیم ہوگا، اہلِ کتاب بیوہ کو کچھ نہیں ملے گا۔ اسی طرح اہلِ کتاب بیوی کے مرنے کی صورت میں اس کے مسلمان شوہر کو اس کے ترکہ میں سے کچھ نہیں ملے گا، بلکہ اس کے کافر ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

⑰-ایسے امور میں کسی غیرمسلم کا تعاون کرنا تعاون علی المعصیۃ کے مترادف ہے۔ [۲۰]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

’’وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ‘‘ (سورۂ مائدہ، آیت:۲، پارہ:۶)

ترجمہ: ’’اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو۔‘‘ (بیان القرآن)

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مسلمان شوہر اپنی کمائی سے اپنی اہلِ کتاب بیوی کو مذہبی نظریات کے پرچار اور عبادت خانوں کی تعمیر کے لیے رقم نہیں دے سکتا اور نہ ہی وہ لینے کی مجاز ہے۔

حوالہ جات

① - فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:
''نكاح غير الكتابية لا يجوز للمسلم بحال ونكاح الكتابية جائز للمسلم سواء كانت حربية أو غير حربية.'' (ج:۷، ص: ۳، الفصل الثامن في بيان ما يجوز من الأنكحة وما لا يجوز، ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي)

فتاویٰ شامی میں ہے:
''(وصح نكاح كتابية) وإن كره تنزيها (مؤمنة بنبي) مرسل (مقرة بكتاب) منزل وإن اعتقدوا المسيح إلٰها.'' (ج:۳، ص: ٤٥، فصل في المحرمات، ط: سعيد)

② - ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
''وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ'' (سورۂ مائدۃ، آیۃ:۵)

ترجمہ: ''اور پارسا عورتیں بھی جو مسلمان ہوں اور پارسا عورتیں ان لوگوں میں سے بھی جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں جب کہ تم ان کو ان کا معاوضہ دے دو اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ، نہ تو علانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو۔'' (بیان القرآن)

③ - فتاویٰ شامی میں ہے:
''(و ينعقد) متلبسا (بإيجاب وقبول).'' (ج:۳، ص:۹، کتاب النکاح، ط: سعید)

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:
''مباشرة النكاح في المسجد مستحب.'' (ج:۲، ص:۵۱، ط: رشیدیہ، کوئٹہ)

''الدر المختار'' میں ہے:
''و يندب إعلامه وتقديم خطبة وكونه في مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد وشهود عدول.'' (ج:۳، ص:۸، ط: سعید)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:
''و يكره للمسلم الدخول في البيعة والكنيسة وإنما يكره من حيث أنهٗ مجمع الشياطين لا من حيث أنه ليس له من الدخول.'' (ج:۵، ص:۳۴۶، ط: رشیدیہ، کوئٹہ)

④ - حدیث شریف میں ہے:
''الطهور شطر الإيمان.'' (مشکاۃ، ج:۱، ص:۳۸، ط، قدیمی کتب خانہ)
ترجمہ: ''پاک رہنا آدھا ایمان ہے۔'' (مظاہر حق جدید)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:
''الفصل الثالث في المعاني الموجبة للغسل وهي ثلاثة: منها الجنابة والسبب الثاني الإيلاج ومنها الحيض والنفاس.'' (ج:۱، ص:۱۴-۱۶، ط: رشیدیہ، کوئٹہ)

⑤ - فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:
''ليس عليه إجبارها على الغسل من دم الحيض والنفاس والجناية.'' (ج:۲، ص:۷، ط: إدارۃ القرآن کراچی)

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:
''الذمية إن كان لها زوج مسلم فجامعها لا تؤمر بالاغتسال إن كانوا لا يغتسلون.'' (ج:۱، ص:۷۴، ط: رشیدیہ کوئٹہ)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:
''ولا يجبرها على الغسل من دم الحيض والنفاس والجنابة كذا في السراج الوهاج.'' (ج:۱، ص:۲۸۱، ط: رشیدیہ، کوئٹہ)

احکام القرآن للجصاص میں ہے:
''وقال مطرف عن الشعبي في قوله تعالى (والمحصنا من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم) قال إحصان اليهودية والنصرانية أن تغتسل من الجنابة وأن تحصن فرجها.'' (ج:۲، ص:۴۵۹، ط: قدیمی کتب خانہ)

⑥ - چنانچہ بدائع الصنائع میں ہے:

''لو كان أحد أبو يه مسلما يعطى له حكم الإسلام لأن الإسلام يعلو ولا يعلى عليه.'' (ج:۲،ص:۱۲۷،ط:سعید)

شرح ملا مسکین میں ہے:

''(والولد يتبع خير الأبو ين دينا) فإن كان أحد الزوجين مسلما فالولد على دينه.'' (ج:۱،ص:۱۲۹،ط:دارالکتب العلمیہ)

⑦ - خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

''ويمنعها من إدخال الخمر بيته.'' (ج:۴،ص:۳۴۸،ط:رشیدیہ،کوئٹہ)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

''ثم إذا تزوج المسلم الكتابية فلها منعها ومن اتخاذ الخمر في منزله.'' (ج:۱،ص:۲۸۱،ط:رشیدیہ،کوئٹہ)

⑧ - فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

''ولا بأس بطعام اليهود والنصارى كله من الذبائح وغيرها و يستوي فيه الجواب بين أن يكون اليهود والنصارى من أهل الحرب أو من غير أهل الحرب وكذا يستوي أن يكون اليهود والنصارى من بني إسرائيل أو من غيرهم كنصارى العرب وحكى عن الحاكم الإمام عبد الرحمن الكاتب أنه إن ابتلى به المسلم مرة أو مرتين فلا بأس به وأما الدوام عليه فيكره.'' (ج:۵،ص:۳۴۷،ط:رشیدیہ،کوئٹہ)

⑨ - فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

''يكره للمسلم الدخول في البيعة والكنيسة.'' (ج:۵،ص:۳۴۶،ط:رشیدیہ،کوئٹہ)

⑩ - فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

''المسلم إذا تزوج ذمية فله أن يمنعها عن الخروج إلى الكنائس والبيع.'' (ج:۳،ص:۷،کتاب النکاح،ط:ادارۃ القرآن)

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

''وله أن يمنعها من الخروج إلى البيعة كما يمنعها من الخروج إلى المساجد.'' (ص:۴۷،ط:رشیدیہ،کوئٹہ)

⑪ - فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

''قال القدوري في النصرانية تحت مسلم لا تنصب في بيته صليبا وتصلي في بيته حيث شاءت.''

(ج:۵،ص:۳۴۶،ط:رشیدیہ،کوئٹہ)

⑫ - فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

''المسلمة والكتابية والأمة في وقت طلاق السنة سواء.'' (ج:۱،ص:۳۴۶،ط:رشیدیہ،کوئٹہ)

⑬ - فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

''إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض.'' (ج:۱،ص:۴۷۰،ط:رشیدیہ،کوئٹہ)

''وإذا كان الطلاق بأسا دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة و بعد انقضائها وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا يدخل بها ثم يطلقها أو يموت عندها.'' (ج:۱،ص:۴۷۲-۴۷۳،ط:رشیدیہ،کوئٹہ)

⑭ - چنانچہ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

''وله أن يمنعها من الخروج إلى البيعة كما يمنعها من الخروج إلى المساجد.'' (ج:۱،ص:۴۷،ط:رشیدیہ،کوئٹہ)

⑮ - فتاویٰ شامی میں ہے:

''والذمية لو طلقها مسلم أو مات عنها تعتد اتفاقا.'' (ج:۳،ص:۵۲۶،ط:سعید)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

''إذا طلق الرجل امرأته طلاقا بائنا أو رجعيا أو ثلاثا وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء سواء كانت الحرة مسلمة أو كتابية.'' (ج:۱،ص:۵۲۶،ط:رشیدیہ،کوئٹہ)

شرح ملا مسکین میں ہے:

’’وعدة الحرة مطلقا سواء كانت صغيرة أو كبيرة أو كافرة أو مسلمة موطوءة أو غير موطوءة (للموت أربعة أشهر وعشر) ليال فيتناول بإزائها من الأيام.‘‘ (ج:۱،ص:۲۰۳،ط:دارالکتب العلمیۃ)

الدرالمختار میں ہے:

’’وللموت أربعة أشهر وعشر مطلقا وطئت أولا ولو صغيرة أو كتابية تحت مسلم.‘‘ (ج:۳،ص:۵۱۰،ط:سعید)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

’’وعدة الحامل أن تضع حملها كذا في الكافي سواء كانت حاملا وقت وجوب العدة أو حبلت بعد الوجوب وسواء كانت المرأة مسلمة أو كتابية وسواء كانت عن طلاق أو وفاة أو متاركة.‘‘ (ج:۱،ص:۵۲۸،ط:رشیدیہ،کوئٹہ)

⑯ -فتاویٰ شامی میں ہے:

’’لا حداد على سبعة: كافرة وصغيرة ومجنونة.‘‘ (ج:۳،ص:۵۳۲،فصل في الحداد،ط:سعید)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

’’ولا يجب الحداد على الصغيرة والمجنونة الكبيرة والكتابية والمعتدة من نكاح فاسد.‘‘ (ج:۱،ص:۵۳۴،ط:رشیدیہ،کوئٹہ)

⑰ -فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

’’لو أسلمت الكافرة في العدة لزمها الإحداد في ما بقي من العدة.‘‘ (ج:۱،ص:۵۳۴،ط:رشیدیہ،کوئٹہ)

⑱ -فتاویٰ شامی میں ہے:

’’ويغسل المسلم ويكفن ويدفن قريبة الكافر الأصلي عند الإحتياج فلو لا قريب فالأولى تركه لهم (من غير مراعاة السنة) فيغسله غسل الثوب النجس ويلفه في خرقة ويلقيه في حضرة. وفي الشامية: ويغسل المسلم أي جوازا لأن من شرط وجوب الغسل كون الميت مسلما قال في البدائع: حتى لا يجب غسل الكافر لأن الغسل وجب كرامة وتعظيما للميت والكافر ليس من أهل ذلك.‘‘ (ج:۲،ص:۲۳۰،ط:سعید)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

’’وإن مات الكافر وله ولي مسلم يغسله ويكفنه ويدفنه ولكن يغسل غسل الثوب النجس ويلف في خرقة ويحفر حضرة من غير مراعاة سنة التكفين واللحد ولا يوضع فيه بل يلقى.‘‘ (ج:۱،ص:۱۶۹،ط:رشیدیہ،کوئٹہ)

⑲ -فتاویٰ شامی میں ہے:

’’وموانعه الروح والقتل واختلاف الدين.‘‘ (ج:۶،ص:۷۶۲،ط:سعید)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

’’واختلاف الدين أيضا يمنع الإرث والمراد به الاختلاف في الإسلام والكفر.‘‘ (ج:۶،ص:۴۵۴،ط:رشیدیہ،کوئٹہ)

’’الكفار يتوارثون في ما بينهم بالأسباب التي يتوارثون بها أهل الإسلام في ما بينهم من النسب والسبب.‘‘ (ایضاً)

⑳ -فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

’’ذمي سأل مسلما على طريق البيعة لا ينبغي للمسلم أن يدله على ذلك لأنه إعانة على المعصية.‘‘

(ج:۲،ص:۲۵۰،ط:رشیدیہ،کوئٹہ)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
محمد عبدالمجید دین پوری	شعیب عالم	احسان اللہ حسن
		تخصصِ فقہِ اسلامی

جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

نَقدُ و نَظَر

ادارہ

ملخص عمدة البيان في تجو يد القرآن (مترجم بالأردیّة)

تالیف: شیخ مُقری محمد سعید فقیر الہروی الحسینی رحمۃ اللہ علیہ۔ ترجمہ: مولانا محمد عمیر بن عبدالحمید بہاولپوری۔ طبع: اولیٰ ۱۴۲۲ھ۔ صفحات: ۱۵۰۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: وزارۃ العدل والشؤون الاسلامیۃ والاوقاف، مملکت بحرین۔ رابطہ نمبر برائے پاکستان: 0333-3684455

زیرِتبصرہ کتاب علمِ تجوید کے موضوع پر ہے، اصل کتاب عربی میں ہے، اس کے مؤلف جامعہ اشرفیہ لاہور اور جامعہ بنوری ٹاؤن کے قدیم فاضل اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، جو ۱۹۷۳ء میں حرمِ مکی میں معہد تحفیظ القرآن میں مدرس رہے، بعدازاں ۱۹۷۶ء سے رابطہ اسلامیہ حکومتِ بحرین کی دعوت پر بحرین میں علوم القرآن کے مدرس مقرر ہوئے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ علومِ تجوید کے ماہر تھے، پاکستان کے نامی گرامی اور جید قراء سے علم تجوید حاصل کیا تھا۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کو انتہائی سہل اور عام فہم رکھنے کے لیے سوال وجواب کا انداز اختیار فرما کر گویا تجوید گھول کر پلا دی ہے۔ نہ بہت زیادہ اختصار سے کام لیا جس سے فہم میں خلل ہو اور نہ ہی ایسی طوالت اختیار کی جس سے اکتاہٹ ہو۔ تفہیم وتسہیل کی غرض سے بعض ابحاث کے جدول اور نقشے بھی دیئے گئے ہیں۔ بعض الفاظ کے قرآنی رسم الخط کا فرق بھی تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ علم تجوید پڑھنے پڑھانے والے علماء اور طلبہ کے لیے یہ کتاب ماشاء اللہ بہترین تحفہ ہے۔ عربی کتاب کو جامعہ فاروقیہ کراچی کے فاضل مولانا محمد عمیر بہاولپوری صاحب نے عمدگی کے ساتھ اردو قالب میں ڈھالا ہے۔ اور جامعہ بنوری ٹاؤن کے استاذ مولانا ناصر یونس صاحب نے اس کی عربی اور اُردو کی لفظی تصحیح اور پروف ریڈنگ کی ہے۔ ہماری گزارش ہے کہ تجوید سے شغف رکھنے والے قراء، علماء اور طلبہ کو یہ کتاب ایک دفعہ ضرور پڑھنی چاہیے اور بغرضِ استفادہ مستقل اپنے پاس رکھنی چاہیے۔

معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ کتاب ظاہری خوبصورتی سے بھی مزین ہے، ٹائٹل جاذب نظر ہے، طباعت دورنگہ ہے، ڈیزائننگ اور سیٹنگ دیدہ زیب اور پُرکشش ہے۔ کاغذ اعلیٰ (آرٹ پیپر) ہے۔ جلد بندی مضبوط اور نفیس ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبولیتِ عامہ نصیب فرمائے، آمین